غربت

مسائل اور حل

تالیف

ڈاکٹر صالح بن محمد الصغیر

ناشر

اکنامک سمینار کمیٹی — اسلامک فقہ اکیڈمی

مؤلف کا شناخت نامہ

☆نام پروفیسر ڈاکٹر صالح بن محمد الصغیر

☆علمی لیاقت فلسفہ اور سماجیات میں ڈاکٹریٹ

☆یونیورسٹی ریاست مسیسی یونیورسٹی، امریکہ ۱۹۹۵ء

☆ مشغلہ استاذ و نا قد شعبۂ سماجیات، ملک سعود یونیورسٹی، ریاض

☆ ملک سعود یونیورسٹی میں تدریسی باڈی کے رکن، اور کئی سرکاری تنظیموں اور اداروں میں عملی و علمی وابستگی، ملک سعود یونیورسٹی اور اس کے علاوہ متعدد کونسل اور تنظیموں کی ورکنگ کمیٹی کی رکنیت۔

☆ سماجی علوم کے متنوع تحقیقی علمی کاموں کے لئے قائم کمیٹیوں میں بطور حکم و جج شریک رہے ہیں۔

☆ مسابقہ امیر سلطان بن عبد العزیز جو ۲۰۰۱ء میں خدمت ماحولیات کے موضوع پر منعقد ہوا تھا اس میں موصوف کو ان کی علمی تحقیق کے اعتراف میں انعام سے بھی سرفراز کیا گیا۔

☆ اپنے خاص موضوع پر آپ کے مختلف عملی تحقیقات اور اسٹڈیز و ریسرچ شائع ہو چکے ہیں۔

☆ آپ کی اہم کتاب 'مقدمہ فی الاحصاء الاجتماعی فی ۲۰۰۱ء میں طبع ہوئی۔

☆ تیس سے زائد علمی اور تحقیقی مقالات بھی زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

☆ فی الوقت ''قومی پالیسی برائے خاتمۂ غربت فی نی میں معاون سکریٹری کی حیثیت سے سرگرم عمل ہیں۔

حرف آغاز

ابومحمد علی بن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ ''ہر شہر کے مالدار مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ وہاں کے غریبوں اور محتاجوں کی پرورش کریں، حاکم وقت مالداروں کو اس کام پر مجبور کرے اگر ان کی کفالت او ر بقدر کفاف روزی زکوۃ اور مال فئ سے میسر نہیں ہوتی تو ان کے لئے ضروری غذا، اسی طرح ٹھنڈ اور گرمی سے محفوظ رکھنے کے لئے کپڑوں اور بارش، دھوپ اور راہ گیروں سے بچانے کے لئے مکانات اور گھروں کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔(۱)

علمی مطالعے کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ بہت سے اسلامی مما لک میں غربت و مفلسی کا مسئلہ کوئی وقتی وعارضی نہیں یا مخصوص حالات کی دین نہیں، بلکہ یہ آج بالکل عام ہو چکا ہے، اس کی لپیٹ میں دنیا کی ایک تہائی سے لے کر نصف آبادی آچکی ہے، اس معاشرت میں غریبی پروان چڑھ رہی ہے اور غربت کا ماحول سازگار ہورہا ہے فقر وفاقہ اور غربت کے پھیلاؤ کے دراصل تین اسباب ہیں:

۱۔ ناخواندگی (جہالت)

۲۔ بیماری

۳۔ مالی مشکلات

لہذا غریب اس لئے غربت کی چکی میں پستا نظر آتا ہے کیونکہ اس کی بیماری اسے کام کرنے ہی نہیں دیتی یا وہ ناخواندہ وجاہل ہوتا ہے اور اس نے کسی ایسے پیشے کی ٹریننگ نہیں پائی ہوتی جس سے اپنی روزی روٹی کما سکے یا اس کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا جس سے وہ کوئی کام خود سے شروع کر سکے، جو اس کے لئے بقدر کفاف آمدنی کا ذریعہ بن سکے۔ کبھی کبھی یہ

سارے اسباب اس کی غربت کی وجہ بن جاتے ہیں، اور کبھی کوئی ایک یا دو ہی سبب اس کی مفلسی کی وجہ بنتا ہے، اس کی وجہ سے غریبی بدستور قائم ہے اور یہ تینوں اسباب برابر اسے تقویت پہنچا رہے ہوتے ہیں، یاد رہے عارضی طور پر غریبوں کی جو (انفرادی یا اجتماعی) مالی مدد کی جاتی ہے اور انہیں تعاون بہم پہنچایا جاتا ہے، یہ غریب کو غربت کی چنگل سے آزاد کرانے کے لئے ناکافی ہے، کیونکہ یہ تعاون غریبی کے اصل سبب کا علاج نہیں کرتے، لہذا عارضی اور وقتی مالی امداد کے باوجود بھی غریب غریب ہی رہتا ہے، بلکہ یوں یہ لعنت ایک نسل سے دوسری نسل تک میراث کے روپ میں منتقل بھی ہوتی رہتی ہے۔(۲)

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد!

غریبی کے مسئلہ کا علمی اور عملی مقابلہ کے تئیں پیدا ہونے والے جذبے کے ساتھ پہلی چیز یہ ضروری قرار پاتی ہے کہ سب سے پہلے ملک میں اس پریشانی اور مسئلے کے وجود کو تسلیم کیا جائے اور یہ اعتراف کیا جائے کہ ملک میں غریبی، افلاس اور فقر موجود ہے، کہا جاتا ہے کہ انسان غلطیوں اور کوتاہیوں کے اعتراف میں کمزور واقع ہوا ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ غربت کے خاتمہ کی خاطر نیز اس لعنت کو ملک سے نکال باہر کرنے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے تئیں بھی سنجیدگی کا اظہار کیا جائے، کیونکہ پریشانی اور مشکل کے اعتراف کے بعد اس کے حل کے بارے میں فکرمندی کا آغاز ہوتا ہے۔

غریبی کے مسئلہ کے نمایاں طور پر ابھر کر سامنے نہ آنے کی وجہ سے ایک عرصۂ دراز تک غریبی کے خاتمہ کے تئیں مقابلہ آرائی کی باضابطہ طور پر کاوش معدوم رہی، جب کہ ایسا بھی نہیں تھا کہ اس پریشانی سے بالکل بے توجہی برتی گئی ہو بلکہ مجموعی طور پر غریب پروری پروگرام ومنصوبے جاری رہے، ساتھ ہی ساتھ رفاہی تنظیموں اور سوسائٹیوں نے بھی اس میں اپنی ذمہ داریوں اور امکانات کے مطابق حصہ لیا ہے۔ اسی طرح شخصی طور پر اعلانیہ یا غیر اعلانیہ صدقات، خیرات اور چندوں سے اس کی بھرپائی ہوتی رہی، یہ ساری کوشش اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ملک میں غریبی موجود ہے، لیکن ملک میں غریبی پائے جانے کے اعتراف کا احساس جو غربت کو ایک مسئلہ کی شکل دیتا ہے بسااوقات اسے منظرعام پر لانے نہیں دیتا، اسی

طرح کبھی کبھی غریبی اپنے انتہاء کونہیں پہنچتی ہے، اورعرف عام میں بولی جانے والی غریبی کی صورت نہیں ہوتی (اس لئے لوگ اسے غربت نہیں مانتے، حالانکہ یہ حالت بھی غریبی کی صورت ہوتی ہے)اس لئے کہ غریبی کامختلف انواع واقسام ہوتے ہیں (اورغریبی غریبی ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو)۔

ملک کو درپیش اقتصادی ٹھہراؤ، خطہ میں جنم لینے والے سیاسی بحران، مسلسل فسادات، علاقائی ولسانی جنگیں خواہ محدود علاقوں ہی میں سہی، ملک کی آمدنی کے محدود ذرائع، دیگرتہذیبی وفکری نیزعلاقائی، ریاستی اور عالمی پیمانے پر مادی اسباب، دنیا کے ایک گاؤں میں تبدیل ہونے کی تیزروی، گلوبلائزیشن کے منظر عام پرآنے، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ظہور پذیر ہونے اوراس سے پہلے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اقوام متحدہ کی تنظیموں کی غیر سیاسی سرگرمیوں کے بڑھ جانے کے ساتھ ہی غریبی کی طرف توجہ مبذول کرناضروری ہوگیا، ساتھ ہی یہ بھی ضروری قرار پایا کہ غربت کا سامنا کرنے کے لئے علمی اور اصولی (سائنٹفک اور سسٹمٹک)طریقۂ کار کواپنایاجائے جس کا مقصد علمی اورزمینی سطح پرغریبی کاعلاج ہو۔

ان متذکرہ بالاباتوں اورملک کے سربراہوں کے اندرغریبی کے حل کے تئیں جنم لینے والے احساس نے غربت کے مقابلے کی طرف پیش رفت کوتیزترکردیا، جس کے پیش نظرغریبی کے خاتمہ کے لئے قومی سطح پرحکمت عملی اور پالیسی تیارکرنے کے ایسے احکام جاری کئے گئےجن میں اس مسئلہ کےحل کے طریقۂ کاراورایکشن پلان اور پالیسز وضع کرنے کی ہدایات بھی شامل ہیں، نیزصرف پالیسیاں ہی نہیں بلکہ ان کولاگو کئے جانے کا بھی حکم دیا گیا، اسی طرح غریبی کے روایتی علاج وحل کے لئے چیری ٹیبل بکس کی بنیادڈالنے کی بھی سہولت واجازت دی گئی، جس میں اس مقصد کی برآوری کی خاطرسبھی شہریوں، پورے ملک، نیزتجارتی وصنعتی اداروں کوتعاون بہم پہنچانے کے لئے کہا گیا، تاکہ ان باشندوں کی شان بلندہوجنہیں غریبی کااحساس کھائے جاتا ہے، حالاں کہ ان کے اندرغریبی سےنجات پانے کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں اور وہ معاون

اسباب ووسائل کو اپنا کر اس احساس غربت سے اپنا دامن چھڑا سکتے ہیں۔

غربت کے خاتمہ کے لئے قومی وملکی سطح پر حکمت عملی کے علاوہ ہر سطح پر نئی کوششیں کرنا اس لئے ضروری ہے، یہ خیال عام ہے، ان سب کاموں پر بیرونی تجربات کی اجارہ داری ہے اور بیرونی تجربات ہی کی روشنی میں فقر وفاقہ اور غربت کا حل وعلاج کیا جا سکتا ہے، کوششوں کے نتائج اور ثمرات دیکھنے میں جلد بازی کے بجائے حکمت عملی کی ترتیب ضروری ہے، بہر حال غریبی ایک مسئلہ ہے اور مثبت انداز میں اس کا علاج کیا جانا چاہئے۔

پیش لفظ

جب کوئی صاحب بصیرت ایک طرف غریبی کو اجتماعی مسئلہ ماننے سے انکار پر اجماع خواہ وہ عام لوگوں کا اجماع ہو یا خاص لوگوں کا، اور دوسری طرف غریبی کے حل کے لئے جاری سست رفتار کاوشوں اور اس دوڑ میں موجودہ دور کے اکثر معاشروں کی ناکامی نیز حسن نیت کے باوجود اس سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کے پھیکے اثرات کے مابین موازنہ کرتا اور جائزہ لیتا ہے، تو اسے خاتمۂ غربت اور سطح فقر میں کمی کے لئے مسلسل جاری رہنے والی کاوشوں کے موجودہ طریقۂ کار پر سخت حیرانی ہوتی ہے، خواہ ان کاوشوں کے اثرات و نتائج جو بھی ہوں اور اللہ تعالی سے اجر و ثواب کی جو بھی آرزوئیں اور امیدیں وابستہ ہوں، اس کے باوجود ان کاوشوں نے ہنوز کوئی قابل ذکر ہے، اور مسئلہ کے حل کے حوالے سے کوئی گہرا، ہمہ گیر طریقۂ کار سامنے نہ آسکا ہے، بلکہ اس سلسلے میں صرف کی جانے والی کوششوں میں جذباتی میلانات کا زیادہ دخل ہوتا ہے، غربت کا مسئلہ رفاہی کاموں میں سرفہرست ہوا کرتا ہے، لوگوں میں غریبوں کے تئیں ہمدردی بھی پائی جاتی ہے جس کا غریبی کے خاتمہ کے مشن پر منفی اثر پڑ رہا ہے، یہ جذباتی تعاون عام طور سے ذاتی سطح پر پایا جاتا ہے، اپنے ملک میں کاسۂ گدائی لے کر پھرنے والوں کو دیکھ کر لوگوں کا دل بھر آتا ہے تاہم رفاہی تنظیموں کی طرف سے غریبوں کو جو رقم بہم پہنچائی جاتی ہے وہ تقریباً جذباتی ہمدردی کی اس خامی سے خالی ہوتی ہے پر مبرّا نہیں، مگر محدود پیمانے پر ایسا ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ تنظیمیں تنگئ داماں کی شاکی رہتی ہیں۔

یہ سچائی ہے کہ غریبی کا دردناک منظر زندہ دلوں میں رقت و ہمدردی پیدا کئے بنا نہیں

رہتا، لوگوں کو یہ بات گراں معلوم ہوتی ہے کہ کچھ لوگ تو عیش کاٹیں اور اسی معاشرے میں کچھ لوگ نان شبینہ کے محتاج ہوں اور سر چھپانے کے لئے جھونپڑیوں سے محروم ہوں اور ان کا مستقبل یوں ہی تاریک بنا رہے، تاہم غریبی کو ایک مسئلہ ماننے کا احساس اور اس کے علاج وحل کی تڑپ ایک چیز ہے اور سوسائٹی میں زندگی گزارنے والے مختلف گروہوں، جماعتوں کے اندر اس کے حل کے لئے قربانیاں پیش کرنے کا جذبہ بیدار کرنا اور انہیں ذہنی طور پر اس کام کے لئے تیار کرنا دوسری چیز ہے، اس لئے کہ غریبی کے مسئلہ کا تعلق صرف انہیں لوگوں سے وابستہ نہیں جو اس کاز پر رسمی طور پر مامور ہیں، بلکہ یہ زندگی کے عام مسائل سے بھی متعلق ہے، اس کی کچھ خصوصیات وحقوق ہیں جو پوری سوسائٹی کے جملہ گروہوں سے وابستہ ہیں، اس میں اپنی ضروریات اور دوسروں کی ضروریات میں ترجیح کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی جڑیں بنی آدم کے نہاں خانۂ دل میں پہنچی ہوئی ہیں، انسان کا اپنی ذات، اپنی دنیا وآخرت کو دیکھنا، اپنے رب کی معرفت، اسے قربت اور آسمانی ہدایات کے حوالے سے نفس انسانی میں جگہ بنانے والی ان قدروں کا بھی اس مسئلہ سے براہ راست تعلق ہے، کیونکہ غریبی کے خاتمہ میں کی جانے والی کوششوں میں یہ قدریں کلیدی رول ادا کرتی ہیں، اگر انسان خود پرست واقع ہوتا ہے تو غربت کے خاتمہ کے تئیں اس کی پیش رفت سست ہوتی ہے اور اگر وہ الٰہی ہدایات کے مطابق ایثار وباہمی تعاون کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے تو ان خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔

کاش! معاملہ اسی پر بس ہوتا، یعنی نفس انسانی کی سختی اور خواہشات نفس کے بدلنے کی پریشانی ہی تک بات محدود رہتی، لیکن معاملہ یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ آج لوگ اس مسئلہ کی سنگینی پر متفق ہونے، اس کے حل کے تئیں جذبۂ صادق سے سرشار اور اس سلسلے میں درکار کاوشوں کے جملہ تقاضوں کو تسلیم کرنے کے باوجود بھی عام طور سے غیر تجزیاتی اور زود نتیجہ آور اور بسا اوقات وقتی اور عارضی حل پر تکیہ کر لیتے ہیں اور یہ سطحی کاوش جذبات کے دھارے کی نذر ہو کر کسی نتیجہ خیز انجام

تک پہنچنے سے پہلے ہی مرگ مفاجات کا شکار ہوجاتی ہے، اور وقتی نتائج ہی سامنے لاتی ہے، بسا اوقات اس سطحی کوشش کے بادی النظر صورت سے ایسا لگتا ہے کہ یہ کوشش فطری، قابل قبول اور منطقی ہے، پر ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ موجودہ معاشروں میں بالخصوص صنعتی انقلاب اور اس کے دوش پر آنے والی برق رفتار سماجی تبدیلی نیز سماجی برگ و بار کو یکجٹ کرنے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اس مسئلہ کا حل ان سطحی اور معمولی کوششوں سے ناممکن ہے۔ انہیں اس بات کا احساس نہیں کہ سماجی ڈھانچوں میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں، سماجی قدروں میں رونما ہونے والی برق رفتار تبدیلی نیز ان کے ساتھ پیدا ہونے والی دیگر پیچیدگیوں اور رکاوٹوں نے ایسے اسباب بھی جنم دیئے ہیں جو اس غریبی کو جنم دے رہے ہیں، نیز اس کے ساتھ غریبی سے وابستہ عوامل میں بھی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے، یہ عوامل آپس میں تاثر وتاثیر کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں، اس لئے آج غریبی کو شخصی یا انفرادی مسئلہ مان کر اسے کسب معاش سے نااہلی، مجبوری، بڑھاپے یا بیوہ پن کا دین کہنا بالکل درست نہیں ہے، بلکہ آج ضروری ہوگیا ہے کہ اسے خاندانی، تربیتی اور سماجی مسئلہ تسلیم کیا جائے، اس لئے کہ بعض معاشروں میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ان کے یہاں کام کے تئیں رغبت یا قدرت نہیں پائی جاتی، وہ کرنا نہیں چاہتے ہیں جب کہ ان کے اندر اتنی قدرت اور صلاحیت ہوتی ہے کہ اگر وہ کام کریں اور بہتر زندگی کے لئے کوشش شروع کردیں تو روزگار کے مواقع حاصل کرسکتے ہیں اور اپنی کفالت آپ کرسکتے ہیں۔

موجودہ دور کی نوجوان نسل کے اندر تعطل پسندی اور ناکارہ پن درآئی ہے، کیونکہ معیار زیست نے عیش کوشی کا خیال پیدا کیا اور بسا اوقات وہ کام کے ہاتھ آئے مواقع گنوا بیٹھی اور نوبت بایں جارسد کہ بہت سے لوگوں نے کام اور روزگار کے دروازے غیروں کے لئے اس وجہ سے کھول دیئے، کیونکہ وہ خود بنیادی ٹریننگ سے محروم تھے، انہوں نے تجربے کئے اور منہ کی کھائی، غلطیاں کی، یہاں تک کہ بعض معاشروں بالخصوص خلیجی معاشرے میں غیروں کے

ٹریننگ سینٹر کھل گئے، حالاں کہ کام کا اسلام میں جو تصور ہے وہ ایک ضرورت ہے سامان عیش نہیں۔(۵)

دراصل معاملہ صرف مؤثر اسباب کی تعداد، ان کی پیچیدگیوں، سماجی بنیادوں کی ہم آہنگی اور سماجی مشکلات ہی پر یہ معاملہ بس نہیں ہوتا، بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ان عوامل میں ہم آہنگی ہو بلکہ حقیقت میں ''اسباب کا یہ مرکب مجموعہ ہمیں ایک ایسے نتیجے تک لے جاتا ہے جس سے اتفاق کرنا اور اسے تسلیم کرنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ اس حقیقت کو تسلیم کرلیا جائے کہ غربت وفقر وافلاس کی عالمی طور پر موجود ہے، گو اس کی نوعیتیں مختلف ہیں اور اسباب بھی مختلف۔

نتائج کا اس مسئلہ کے حل کے لئے بروئے کار لائے جانے والے طریقۂ کار کے ساتھ ٹکراؤ بھی پیدا ہوتا ہے جو اس سلسلے میں جذباتیت کے رو میں بہنے والے علاج کاروں کا اختیار کردہ ہوتا ہے اور وہ طریقے محض شخصی آراء اور محدود انفرادی تجربات پر مبنی ہوتے ہیں، ان میں نظر کی گہرائی و گیرائی نہیں ہوتی، تجرباتی طریقۂ علاج کا فقدان ہوتا ہے۔ جلد بازی اور جزوی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنائے جانے والے یہ طریقے اور اسالیب عموماً اس مسئلے کے پیچھے کارفرما اسباب ودواعی سے کہیں زیادہ ظاہر پر دھیان دیتے ہیں (یعنی غریبی کے اسباب کو ختم کرنے پر ان کا خیال مرکوز نہیں ہوتا بلکہ وقتی طور پر غریبوں کو کچھ دے کر ان کے آنسو پونچھ دینا ہی مسئلے کا حل سمجھتے ہیں)، اسی طرح غریبی کی اس قسم کی صورت حال پیدا کرنے والے عوامل ومحرکات پر ان کی تجرباتی نگاہ بھی نہیں ہوتی (۶)، لہذا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس نظریے کی وجہ سے مسئلہ کی سنگینی بڑھ جاتی ہے اور اس پریشانی کے حل میں ان کی حصہ داری کا تناسب مشکل اور پریشانی کو مزید بڑھانے میں دوچند ہو جایا کرتا ہے اور چونکہ مرض کا خاتمہ ہونے سے رہ جاتا ہے، اور نتیجۃً ان کی خواہشوں کے بالکل برعکس سامنے آتا ہے، اس لئے کہ فقر وفاقہ ایک زندہ مسئلہ بن چکا ہے، اور یہ لوگ اسے مزید بڑھاتے اور وقتی تعاون کے ذریعہ اس کو من وعن اسی صورت پر برقرار رکھتے ہیں (سائل کو روٹی کھانے کا پیسہ دے دیتے ہیں پر اسے غریبی اور

بھیک مانگنے کی لعنت سے بچانے کا کوئی مستقل اقدام نہیں کرتے)، اور اسے فطری صورت میں برقرار رکھنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لعنت برابر جاری رہے (۷)۔

غربت کے خاتمہ کے لئے موثر طریقۂ کار اختیار کرنے کے لئے ہمیں مسئلہ کے تجزیاتی مطالعے میں درست علمی اسلوب کا لحاظ کرنا پڑے گا، نیز اس کا سامنا کرنے کے لئے پالیسیوں، حکمت عملیوں اور ایکشن پلاننگ میں سائنٹفک اور علمی اسلوب کو اہمیت دینی ہوگی، خواہ اس میں سخت کوششیں درکار ہوں، نیز اس کے لئے مزید گراں قدر اوقات کی بھی قربانی دینی پڑے، مگر یہ کوششیں مسلسل اور لگاتار کی جائیں، اور نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی جلد بازی نہ دکھائی جائے، کیونکہ زود نتیجے اور جلد بازی پر مبنی اس قسم کے پروگرام اور منصوبے ایک طرف زیادہ مؤثر نہیں ہوتے، دوسرے ان میں جتنا سرمایہ صرف ہوجاتا ہے وہ مسئلے کی صورت حال پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے اور علمی بنیادوں پر اس کے حل کے لئے پروگرام اور منصوبہ بندی میں پیش آنے والے اخراجات سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

اس کتابچے میں بنیادی طور پر علمی، اور عملی سطح پر مناسب اقدامات کی توضیح پر زور دیا گیا ہے، جنہیں غریبی کے خاتمے کے لئے اٹھایا جاسکتا ہے، اجتماعی مسائل و پریشانیوں کا سامنا کرنے کے لئے اجتماعی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں متعین ضابطہ کا خیال رکھا گیا ہے، ان سب کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

۱ — بیان مسئلہ : اس میں غریبی کی تعریف، شریعت کی نظر میں اس کے مفہوم وحدود کا بیان، اس کے قیاس کے طریقے، اور انتظامی نقطۂ نظر اور سماجی جماعتوں سے ملک کے مختلف حصوں کی جغرافیائی تقسیم۔

۲ — غربت کے اسباب کا تجزیہ، اس مسئلے سے وابستہ اسباب کی تعیین، جس میں غربت کے بارے میں رپورٹ اور اعداد وشمار کا خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے، مگر یہ مخصوص شعبہ کا کام ہے یعنی

رپورٹ اوراعداد وشمار مہیا کرانا وزارت برائے اقتصادی منصوبہ بندی کا کام ہے۔

۳— پالیسیاں بنانا، حکمت عملی اور ایکشن پلان بنانا، مذکورہ اسباب کے تجزیاتی مطالعے کے بعد غربت کے علاج کے ٹھوس پروگرام وضع کرنا۔

۴— ان خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے ذیلی تنظیموں اور سوسائٹیوں کو قائم کرنا جو اس کے پالیسیوں کو لاگو کرسکیں۔

اس کتابچہ میں ہر مرحلہ اور طریقۂ کار کے تقاضوں کو بیان کرنے پر زور دیا گیا ہے ساتھ ہی ہر مرحلہ میں مطلوب تعامل اور اسلوب کے بدل بھی پیش کئے گئے ہیں، تاہم جملہ تفصیلات لکھنا اور نتائج کی پیش گوئی کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے، اس میں راستوں کو بیان کیا گیا ہے جو ان لوگوں کے لئے منارۂ نور ثابت ہوسکتے ہیں جو اس عظیم مسئلے کے حل کی طرف پیش رفت کرنے کا عزم جواں رکھتے ہیں۔

غریبی کی تعریف اور اس کا معیار

ہم اپنے موضوع کو واضح کرنے کے لئے ان ابتدائی باتوں کو پیش کر رہے ہیں جنہیں اس گتھی کو سلجھانے میں اور جس کی بنیاد پر غربت کا اندازہ لگانے میں مدد مل سکتی ہے۔

چنانچہ ۱۹۹۰ء میں عالمی بینک (World Bank) کی پیش کردہ روایتی تعریف سے ہمارے سامنے غربت وافلاس کی جو عام تعریف آتی ہے وہ ہے:

''معیشت کے کمترین معیار حیات کو حاصل نہ کر پانا، اس بنیاد پر کہ اس معیار کی پیمائش درج ذیل چیزوں پر کرنا ممکن ہو:

– بنیادی اخراجات کی ضروریات
– یا ضروریات کی تکمیل کے لئے ضروری آمدنی کا معیار

اس روشنی میں غریبی'' افراد، یا خاندان، یا سوسائٹیوں کا بنیادی ضرورتوں پر مشتمل وسائل وذرائع کے حصول سے ناکامی کا نام ہے۔(۹)

جب کہ بعض لوگ غربت کی یوں تعریف کرتے ہیں:

''وہ اقتصادی حالت جس میں کسی شخص کے پاس اتنی آمدنی نہ ہو جو صحت، غذا،

کپڑے، تعلیم اور گھر جیسی بنیادی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔(۱۰)

یہاں خط افلاس کی حد بندی اخراجات کے معیار پر کرنے سے مراد ایسے پیمانوں کی نوعیت ہے جو غریبی فزیولوجیکل ضروریات کی تکمیل کے اخراجات کے معیار کو پورا کرنے کی عدم قدرت کی بنیاد پر قیاس کرتے ہیں، عام طور پر انہیں فقر مطلق کا پیمانہ کہا جاتا ہے، جو بنیادی پیمانہ ہے یعنی ایسی غریبی جس میں لوگوں کو صرف زندہ رہنے کے بقدر روزی ملتی ہو یا وہ بھکمری، بیماری اور خراب غذا کی پریشانیوں سے دوچار ہوں۔

اس کے باوجود اس قسم کی تعریفات پر بہت کافی نقد کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے دیگر بہت سی تعریفات میں تبدیلی، اضافے اور ترمیمات ہوتی رہی ہیں، تاکہ اس اعتبار میں ایسے دیگر اسباب سامنے آئیں جو غربت کو سمجھنے اور اسے ایک اجتماعی مسئلہ منوانے میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، چنانچہ ناقدین نے اس نوعیت کی تعریفات پر کئی ایک اعتراض کھڑے کئے ہیں، مثلاً ''بنیادی ضروریات فی نی کی ماہیت کیا ہے؟ اور ان حاجات کی حد بندی کا حق کسے اور کیونکر حاصل ہوسکتا ہے؟ اس طرح اس قسم کے سوالات بھی اٹھائے گئے ہیں کہ معیشت کا مقبول اور پسندیدہ معیار کسے کہیں گے، اور اس معیار کے فیصلہ کرنے کا حق کسے حاصل ہوگا؟ ان بنیادوں پر انہوں نے اس قسم کی تعریفات کو دیگر پہلوؤں کا دست نگر قرار دیا ہے جو مزید تعریفات اور حد بندیوں کے دریچے کھولتے ہیں۔

دوسری نوعیت کی تعریفات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کچھ اس نوعیت کی بھی تعریفات ہیں جو افلاس مطلق کے بجائے نسبتاً غریبی یا افلاس کا تصور پیش کرتی ہیں (یعنی انسانی سماج میں کچھ لوگ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ غریب اور لوگوں کے مال و دولت میں تفاوت پایا جاتا ہے تو جو لوگ دوسروں کی بہ نسبت کم مال والے ہوتے ہیں تو وہ اپنے سے مالدار لوگوں کی بہ نسبت غریب ہیں، یہی نسبتی غریبی یا نسبتاً غریب ہوتا ہے)، چنانچہ اس نوعیت سے تعریفات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فقر مطلق کی تعریف غریبی کی جملہ صورتوں کی ترجمانی

نہیں کرتی، اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو زندگی کی عسرت وتنگ دستی میں جھومتے ہیں، سبھوں کے ساتھ وہ بھی پریشانیوں کا سامنا کرتے ہیں، لیکن جب ان کی نظر اپنے سے بہتر زندگی گذارنے والوں پر پڑتی ہے اور ان سے اپنا موازنہ کرتے ہیں تو انہیں حرماں نصیبی ومایوسی اور محرومی دامن گیر ہوجاتی ہے، لہذا اگر فقر مطلق کا معنی بنیادی ضروریات کی تکمیل سے ایسی محرومی ہے جس سے ان کی زندگی وبقا کو خطرہ لاحق ہے تو فقر نسبی ایک ایسی محرومی کا احساس جگاتا ہے کہ ایک ہی سماج میں کچھ لوگ عیش کوشی کی زندگی گذار رہے ہیں اور کچھ ان سے کمتر ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں یا وہ اپنے خوش حال ماضی اور بدحال حاضر کے مابین جب کوئی موازنہ کرتے ہیں تو اس قسم کا احساس انہیں دامن گیر ہوجاتا ہے (۱۱)۔ اس طرح کی تعریفات ذاتی اور موضوعی اسباب کے شامل حال ہونے کا پتہ دیتے ہیں جن کا تعلق معاشرے میں پیداوار کی تقسیم کے مفہوم سے ہے۔

تیسری جانب کچھ لوگ ایسے ہیں جو غریبی کے مفہوم میں اجتماعی ناکارے پن وتعطل عملی کو شامل حال مانتے ہیں، اس لئے کہ ایک ہی سوسائٹی میں رہنے والے افراد کے ساتھ یہ المیہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کچھ رکاوٹیں آجاتی ہیں اور وہ ذریعہ معاش کے لئے کوئی کام ہی نہیں کر پاتے جس طرح کہ افراد کو کام کے مواقع ملتے ہیں جس کی وجہ سے ان محروم لوگوں کو بقدر کفاف اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے روزی نہیں مل پاتی اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضروریات زندگی کے ان مارے ہوؤں کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے اور ان کی فاقہ مستی برابر جاری رہتی ہے، ایسا ان معاشروں میں پایا جاتا ہے جہاں ذات پات، نسلی امتیازات اور فرقہ وارانہ تعصب پایا جاتا ہے، خواہ اس کی تطبیق کی کوئی بھی صورت ہو، جس میں شہریوں میں کچھ دیگر جنس کے لوگوں کو چھانٹ دیا جاتا ہے، ان کو نوکری نہیں دی جاتی، جیسے امریکہ میں سفیہ فام اور سرخ فام شہریوں میں اس نسلی امتیاز کا بھوت پایا جاتا ہے، یہ تعصب زندگی کے ہر میدان میں پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ عبادت، تعلیم، سہولیات کی فراہمی، مکانات وغیرہ بنوانے

اور دیگر سماجی خدمات میں بھی یہ طوطا چشمی برتی جاتی ہے(۱۲)۔

یہ محض وہ پہلو ہیں جنہیں غریبی کے مسئلے کی باریک بینی کے ساتھ حد بندی کی کوششیں سامنے لاتی ہیں، اور اس مسئلہ کے علاج کاروں اور وابستۂ کاروں کی تحقیق ومطالعے اور تفصیلی جائزے کا موضوع ہے، بعد ازاں آنے والے مراحل کی توجیہ اور میدان عمل کے اختیار کے لئے مناسب اقدام کرنے کی بات آتی ہے۔

مسئلہ کی نوعیت کے مطابق پسندیدہ تعریف کی بنیاد اسی طریقے پر ہوگی جو غریبی کے پیمانہ واندازہ اور تخمینہ کا تتبع کرے، سب سے پہلے جغرافیائی خطوں میں غریبی کو تقسیم کرنا پڑے گا یعنی غریبی کا جغرافیائی نقشہ وضع کرنا پڑے گا، نیز مختلف سماجی اکائیوں کو بھی سمجھنا پڑے گا اور اس بنیاد پر جہاں آکر غریبی کے کئی ایک مفہوم بن جاتے ہیں اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ہر ماحول کے اعتبار سے غربت کے علاج کے لئے وہاں کی مخصوص فضا کی روشنی میں مخصوص تعریف وضع کرنا ہوگی۔

ہم جس حالت میں اس ملک میں رہ رہے ہیں وہاں کے ماحول میں غریبی کی تعریف سے اسلام کی پیش کردہ مفہوم سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، اور اسلام میں فقیر یا غریب اس شخص کو کہا گیا ہے جو نان شبینہ کا محتاج ہو، اور یہ مختصر تعریف غریبی کے علاج کے لئے شرعی وسائل وذرائع کے ساتھ منظم طریقۂ کار کے مطابق اقدام کرنے کی رہنمائی کرتی ہے جس میں حقیقت حال اور وقت کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس اعتبار سے غربت ایک پیچیدہ سماجی صورت حال ہے، جس کے بہت سے اسباب ومحرکات ہیں، اور یہ ایک ایسی صورت حال ہے جو ہر گوشے میں پھیلی ہوئی ہے اور کسی خاص جغرافیائی علاقے تک محدود نہیں، غربت شہروں میں بھی پائی جاتی ہے اور دیہاتوں میں بھی، تندرست لوگ بھی اس سے دوچار ہوتے ہیں اور جسمانی طور پر معذور بھی، مصیبت اور آفتوں کے مارے ہوئے بھی اس کے تھپیڑے کھاتے ہیں، نیز ناقص صلاحیتوں والے بھی۔(۱۳)

غربت کے پیمانہ (غریبی ناپنے) کے لئے بروئے کارلائے جانے والے طریقوں کے نمونے تعریف اور پیمائش کے مسائل میں ربط پیدا کرنے کی غرض سے پیش کئے جارہے ہیں:

۱۔ کمیت پر مبنی تنقیدی اور مقصدی معیار و پیمانے:

اس قسم کے پیمانہ ومعیار کی بنیاد آمد وصرف کی اساس وآثار پر ہوتی ہے، اس سلسلہ میں زیادہ تر ماہرین کا یہ خیال ہے کہ صرفہ واخراجات سے متعلق ملنے والی تفصیلی رپورٹ خاندانی سطح پر صحیح نتائج پیش کرسکتی ہے، اس لئے کہ اخراجات کے تفصیلی رپورٹ غریبی کے معیار کو سمجھنے اور اسے ناپنے کے لئے ان رپورٹوں سے زیادہ مؤثر اور کارگر ہے جو آمدنی پر مبنی ہوتے ہیں (یعنی اخراجات کی تفصیلی رپورٹ کا آمدنی کی رپورٹوں سے زیادہ رول ہوتا ہے غریبی کے معیار کو سمجھنے اور اس کا تخمینہ لگانے میں) (۱۴)۔

عام طور پر کمیت پر مبنی تنقیدی اور مقصد معیار ومقیاس خط افلاس کی دائرہ بندی کرتا ہے، غریبوں اور امیروں کے مابین خط امتیاز قائم کرتا ہے، خرچ کا ایک ایسا معیار قائم کرتا ہے جس کی روشنی میں ہم یہ پتہ لگا سکتے ہیں کہ بنیادی غذا اور دیگر بنیادی ضروریات زندگی کا کمترین معیار کیا ہوسکتا ہے یعنی یہ معیشت کے معیار کی حد بندی کرتا ہے، اور زندگی کی بنیادی ضرورتوں میں سے صحت کی دیکھ بھال بھی شامل ہے، چنانچہ خوراک کے خود کار آلات کا ہونا ضروری ہے تاکہ نفس انسانی کو تحفظ فراہم کیا جا سکے اور وہ متعدی امراض سے محفوظ رہے، بہترین غذا کا بندوبست کیا جائے تاکہ ''سب کے لئے صحت نی نی کا نعرہ حقیقت بن سکے۔ (۱۵)

۲۔ غیر تنقیدی معیار و پیمانے:

چونکہ نقدی معیار و پیمانہ کو برتتے وقت یہ دیکھا گیا کہ لوگ اپنے اخراجات سے متعلق معلومات فراہم کرنے میں پس وپیش کرتے ہیں، اور اپنی آمدنی کی بابت بھی جملہ تفصیلات

نہیں دیتے، اسی لئے غیر تنفیذی معیار و پیمانہ کی ضرورت پیش آئی، اس بنیاد پر اس کو تسلیم کیا گیا کہ غریبی کا تعلق صرف آمد و صرف کی عدم کفایت سے نہیں ہے، بلکہ دیگر پہلوؤں سے بھی اس کا تعلق ہے مثلاً صحت، غذا، تعلیم، اجتماعی تعلقات، اور خالص مادی ماحول فکر فردا کی سوچ اور رزق رسانی میں اللہ تعالی کی ذات پر سے اٹھ رہے اعتماد نے بے یقینی کو پیدا کیا، اس لئے بہت سے ماہرین نے واضح انداز میں امکانات کے مقاییس یا انسانی صلاحیتوں کا معیار قائم کیا، جس کی بنیاد پر عموماً صحت وتندرستی اور تعلیم کی حالت یہ ہوتی ہے اس لئے کہ ان دونوں چیزوں کا لوگوں کی بامعنی اور پیداواری زندگی میں کلیدی رول ہوتا ہے اوران کے فوائد بھی بہت ہیں، لہذا وہ صحت وتندرستی اور افراد کی غذائی حالت کے مطالعہ پر بھی زور دیتے ہیں۔

غریبی کے اسباب کا تجزیہ

اس مسئلہ کی حد بندی کے لئے جو بھی کوششیں صرف کی جارہی ہیں خواہ ان کا تعلق غریبی کی تعریف سے ہو، یا اس کے معیار و پیمانہ کے مناسب طریقوں کے اختیار کرنے سے یا جغرافیائی سطح پر غریبی کو بانٹنے یعنی غریبی کے جغرافیائی نقشے سے ہو، یہ سب ایک منظم کاوش کا نقطۂ آغاز ہے، جو اس مسئلے کے اسباب کی حد بندی کے علمی اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ ان اسباب کے تجزیہ طریقۂ کار کے پر قائم ہیں، نیز ان عوامل کی تعیین بھی اس میں شامل ہے جو اس سے مربوط ہیں، یہ ساری چیزیں غریبی کے علاج میں حصہ لینے والے پروگرام اور منصوبوں سے پہلے ہی سمجھ لینا ضروری ہے، اس لئے کہ علاج مرض کی دقیق تشخیص کے بغیر سودمند نہیں ہوتا، خاص طور سے جب مسئلہ میں پیچیدگیاں شامل حال ہوں۔

یہاں یہ بات صحیح ہے کہ اس قسم کی کاوشوں اور تشخیص کے بغیر علاج کی کوششوں سے

بھی کچھ فائدے حاصل ہوتے ہیں، لیکن غالب طور پر اس کے یہ فوائد وقتی اور عارضی نیز سطحی ہوتے ہیں، دقیق تشخیص کی محتاج یہ کوششیں اسباب کو زیادہ اہمیت نہیں دیتیں، اس طرح اس کے علاج کے دیگر راستے بھی مسدود رکھتی ہیں جن سے زیادہ فائدے اور بہتر نتیجے کی امید کی جاسکتی تھی، مزید برآں یہ جزوی اور انفرادی کوششیں کسی ہمہ گیر پالیسیوں پر مبنی حکمت عملی اور موقع ومحل کے اعتبار سے قابل تنقید پلاننگ ومنصوبے پر یقین نہیں رکھتیں، لہذا یہ کوششیں اس مسئلے کے مؤثر اور ہمہ گیر حل پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہیں بالخصوص ایسے وقت میں جب ان کاوشوں کو آگے بڑھانے والوں میں قرار دادوں میں اہم اور غیر اہم کی تمییز کی صلاحیت نہیں ہوتی اور وہ لوگ غیر شعوری طور پر مشکلات کے دلدل میں آ پھنستے ہیں (۱۶)، اور اس پر بھی طرفہ تماشا یہ ہے کہ ایسے ماہرین وذمہ داران اپنی ان کارگزاریوں پر مطمئن وخوش دکھائی دیتے ہیں۔

دنکان اور لولارد نے اس موقف کی بہت اچھی ترجمانی کی ہے، ان دونوں نے ''غریبی کے علاج کے لئے پروگرام سازی اور منصوبہ بندی سے پیشتر غریبی کے اسباب کا جائزہ لینے کا نعرہ بلند کیا، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ بہت ساری حکومتیں غریبی کے علاج کے لئے بڑی سرگرمیاں دکھاتی اور اس کا اہتمام کرتی ہیں، اس فکر کو عام کرنے کے لئے ہینڈ بل، کتابچے اور فولڈرز تقسیم کرتی ہیں اور ایسی حکمت عملیوں اور اقدام کا اعلان کرتی ہیں جو غریبی کی سطح کو کم کرنے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں، تاہم جب ان کوششوں پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان ساری کوششوں کا قبلۂ توجہ یہی ہے کہ وہ سماج میں غریبوں کی حالات بیان کرنے ہی میں صرف ہوتی ہیں، چنانچہ غریبوں کے اعداد وشمار کی رپورٹیں تیار کرائی جاتی ہیں، اور انہیں مختلف خطوں میں بانٹا جاتا ہے، انہیں کام، عمر، جنس اور صحت وتندرستی اور پبلک سروسز نیز مارکیٹ سے استفادہ کرنے کے امکانات وغیرہ میں خانہ بند کیا جاتا ہے، لیکن یہ غربت کی لعنت کو جنم دینے والے اسباب ومحرکات تک پہنچنے میں بہت ہی کم کامیاب ہو پاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جارح کے مطابق بہت ساری تالیفات موجود ہیں جنہیں عالمی تنظیمیں

انسانی ترقی وبہبود کو پروان چڑھانے، غربی کے اسباب کا خاتمہ کرنے اور پبلک کے انتظامی امور نیز ماحولیات کی بہتری کی خاطر ٹھوس اور ہمہ گیر ترقیات کے ستون گاڑنے کے لئے شائع کرتی ہیں، اقوام متحدہ کی خاص تنظیموں، اس کے ذیلی ادارے جیسے ورلڈ بینک، مونیٹری فنڈ، اقوام متحدہ کانفرنس برائے تجارت وترقیات، اقوام متحدہ کی ذیلی ریاستی اقتصادی تنظیمیں، عالمی تنظیم کے زیر نگرانی چلنے والی اقتصادی وسماجی کونسل اور کبھی کبھی خود UNO کی طرف سے غربی سے متعلق ہر سال منشورات، رپورٹ، خاص بیانات، کتب، لکچرز کے ہزاروں صفحات چھاپے اور مختلف عالمی میٹنگیں واجلاس منعقد کئے جاتے ہیں، یہ سارے لٹریچر یہ باور کراتے ہیں کہ دنیا ایک مثالی عالمی نظام کے زیر سایہ جی رہی ہے، جہاں اخلاق واقدار کے قائم کرنے او رغربی کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا محرک کارفرما ہے جس نظام کا باگ ڈور اہل مغرب کے ہاتھوں میں ہے، لیکن غربی کی یہ خوفنا کی بدستور آج بھی ہماری حقیقی زندگی میں قائم ہے، یہ نعرے وخطاب اس کے علاج سے قاصر ہیں، یہ ایک سچائی ہے کہ یہ سوچ امپایرلزم (استعمار) کا شاخسانہ ہے جسے ریاستہائے متحدہ امریکہ دنیا پر مسلط کرنا چاہتا ہے، یہ نعرے زمینی سطح پر کچھ بھی اثر قائم رکھنے سے قاصر ہیں اور بڑھتی ہوئی غربی کی سطح، ماحول کی بربادی، مافیات کی حکمرانی نیز تباہی وبربادی کی دیگر شکلیں جوں کی توں قائم ہیں اس بدی کے ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی ہے۔(۱۷)

لہذا اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس مسئلے کی حد بندی کے مراحل نظرانداز نہیں کئے جاسکتے مثلاً پہلے حکمت عملی وضع کی جائے، ٹھوس پروگرام ومنصوبے بنائے جائیں، بالخصوص جب ہمارے سامنے اس قسم کی پیچیدہ صورت حال ہو۔

جب ہم غربی کے اسباب کی تلاش یا جس کی طرف کہیں کہیں غربی کے تجزیے سے تعبیر کیا گیا ہے، کے مرحلے کی طرف آتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان اسباب کو سمجھنے کا دارومدار اس کے جوہر پر ہے، اور جملہ علمی وسائنٹفک طریقۂ کار میں یہی ہوتا ہے، جب

موازنے کئے جاتے ہیں اور کسی مسئلے کے متعلقات کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اب ذیل میں ہم صرف تعریفی اشارے پیش کررہے ہیں تاکہ یہاں بروقت ہم اپنا مدعا پیش کرسکیں:

۱- مختلف جماعتوں کی خصوصیات کے مابین موازنہ، اس میں حسب ذیل موازنے شامل ہیں:

الف- غریبوں کے خصائص کا ان لوگوں کے خصائص سے موازنہ جو غریب نہیں ہیں۔

ب- مختلف جماعتوں میں پائے جانے والے غریبوں کے خصائص کے مابین موازنہ۔

ج- کسی خاص جماعت کے غریبوں کے خصائص کے مابین، وقتی امداد کے حوالے سے موازنہ۔

۲- غریبی کے مسئلے سے جڑے اسباب ومحرکات کا تجزیہ، یہاں جزئی انحدار پر مبنی معاملہ یا متعدد انحدار پر مبنی معاملہ کا استعمال کیا جاسکتا ہے، تاکہ امتیاز واختلاف کے دائرے تک ہماری رسائی ہوسکے، اس لئے کہ اس کا تعلق غریبی کے عوامل سے ہے، اس طرح غریبی کے اسباب کے تئیں کچھ دیگر پہلوؤں تک بھی پہنچا جاسکتا ہے۔

غریبی کے اسباب کے جائزے کی روشنی میں خاندانی سطح وقفہ جاتی سروے کرایا جائے، تاکہ ایک طرف اس سے سروے کے موضوع کی روشنی میں مختلف گروہوں کے مابین موازنہ کرنا آسان ہوجائے اور دوسری طرف مختلف وقتی امداد کے وقت ان گروہوں کے احوال کے مابین بھی موازنہ کرنا آسان ہوجائے، یادرہے اس قسم کا خاندانی سروے اس کاز کے لئے بہت ہی اہم اور کلیدی ہے۔

اگر تنقیدی کمیت پر مبنی یہ سروے ناقص ہوتو اس کی تلافی امومت وطفولت اور محرک قدمی کے سرووں سے کی جاسکتی ہے، نیز یہ سارے پہلو اس سروے کے اندر سمٹ سکتے ہیں جیسے

ورلڈ بینک (عالمی بینک) نے زندگی کے معیار کے پیمانہ پر مبنی سروے کا نام دیا ہے۔

دوسری طرف اس قسم کی نوعیت کی رپورٹ کیفیاتی تحقیقات کے ضمن میں بھی کی جاسکتی ہے جو زمین اور جماعتی سطح پر تحقیقات اور کیفیت کے طریقۂ کار کے ذریعہ غربت کی وجوہات واسباب کو سمجھنے کے تئیں ہماری صلاحیتوں میں تقویت وزیادتی پیدا کرسکتی ہے۔

ان سارے اعتبارات کے ساتھ غریبی کے اسباب کی کھوج میں اقتصادی محرک سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ غریبی کا اقتصادی کمزوری سے بھی گہرا تعلق ہے، یہ ایک ایسی نعش ہے جس میں بازار اور ملک دونوں کی ناکامی کا عکس نمایاں ہوتا ہے، لہذا اگر یہ اقتصادی ترقی غریبی کی تخفیف کے لئے کافی شرط نہیں لیکن اتنی اقتصادی خوش حالی تو ہونی ضروری ہے (جو نئے اور بقدر کفاف ملازمت کے امکانات تلاش کرسکے تاکہ غریبی سے نجات دلانے میں ان تنخواہوں کا اثر سامنے آسکے)، ترقیاتی عمل کی کوئی بھی کامیابی غریبی کو کم کرنے میں اہمیت رکھتی ہے جیسا کہ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام میں اس کا ذکر ملتا ہے۔(۱۹)

مادی بنیادوں پر غریبی کی وجوہات اور اسباب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ امت کے دینی علماء، سماجی واقتصادی ماہرین اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ ان بنیادی اسباب سے بھی پہلوتہی نہیں برتنی چاہیئے جو غریبی کو جنم دیتے اور اس کا سبب بنتے ہیں، خواہ یہ شخص پیمانے پر ہو یا پورے ملک اور پوری خطۂ آبادی سے متعلق ہو جسے ایک ثقافت یا اقتصاد کا ایک نظریاتی یکجاؤ باہم جوڑتا ہو۔

اس بنیاد پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ غریبی کبھی بطور سزا واقع ہوئی ہے اور کبھی ابتلاء وآزمائش کے طور پر ہوتی ہے جس سے لوگ دوچار ہوتے ہیں، اور پوری پوری قوم بھی بسااوقات اس میں مبتلا ہے، چنانچہ بطور سزا اور عقوبت کی شکل میں رونما ہونے والی غریبی درج ذیل اسباب کی پیداوار ہوتی ہے، کبھی تو یہ سارے ہی اسباب کارفرما ہوتے ہیں اور کبھی ان میں سے متفرق اسباب اس کی وجہ بنتے ہیں:

۱ــ سودی لین دین، جسے شریعت کی اصطلاح میں ''سود نی نی کہا جاتا ہے، اور حالاں کہ ''أحل الله البیع و حرم الربا''یعنی اللہ تعالی نے تجارت کو جائز ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

۲ــ شخصی یا ملکی وقومی سطح پر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنا۔

۳ــ اللہ واحد کی عبادت سے انحراف

۴ــ مظلوم کی بددعا، خاص طور سے جب فقر عقوبت میں مبتلا نے مظلوم کا حق مار رکھا ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے :''**اتق دعوة لمظلوم فإنه ليس بينهما و بين الله حجاب**'' کہ تم مظلوم کی بدعا سے بچو، کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے بیچ کسی چیز کی آڑ نہیں۔

۵ــ دنیا پر ٹوٹ پڑنا اور آخرت کو دنیا سے بیچ دینا۔

۶ــ غیر ضروری احوال میں بھی بھیک مانگنا (۲۰)، گداگری کی یہ شکل متعدد اسباب اور مختلف طریقہ ہائے کار اختیار کر چکی ہے جس میں نہ تو شریعت کی عام مصلحتوں کو دیکھا جا سکتا ہے نہ ہی خاص مصلحتوں کی تکمیل ہوتی ہے (۲۱)۔

۷ــ انتظامی اور مالی بربادی، خواہ یہ شخص پیمانے پر ہو یا قومی پیمانے پر، مثلاً رشوت کا عام ہونا، اغوا، بلیک مارکیٹنگ (سیاہ دھندے) اور چوریاں وغیرہ (۲۲)۔

۸ــ شخصی اور تنظیمی سطح پر زکوۃ نہ دینا، مسلم ممالک کا اسے وصول کرنے میں کوتاہی برتنا اسے ملک کی سیادت کا ایک ذریعہ سمجھ کر وصول نہ کرنا۔

۹ــ لوگوں یا پوری قوم اور ملک کا قرضوں کے بوجھ تلے دب جانا، خاص طور سے جب یہ قرض اخراجات پورے کرنے کے لئے لئے گئے ہوں۔

۱۰ــ اللہ اور امت کے نام پر وقف کردہ جائیدادوں پر ناجائز قبضہ۔

۱۱ــ غریبوں، مسکینوں کے مال زکوۃ پر مختلف حیلوں، تدبیروں سے ناجائز قبضہ۔

یہاں یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اگر متذکرہ بالا اسباب غریبی کی کسی نوعیت میں نہ پائے جاتے ہوں تو اسے فقر ابتلاء یعنی ابتلاء وآزمائش کے طور پر رونما ہونے والی غریبی کہا جائے گا، فقر ابتلاء کی کچھ علامتیں ہیں، جن میں سے مادی اور معنوی ضروریات میں کمی، عام غریبی اور تکلیف نیز نیکوکاری کی انتہائی صورت اہم ہیں، چنانچہ نیکوکار لوگ سب سے زیادہ آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں، سب سے زیادہ ابتلاء وآزمائش انبیاء کی ہوئی ہے اس کے بعد صالحین یعنی نیکوکار لوگوں کی ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ ''غریبی صبر کرنے والے نیکوکاروں کے ساتھ ہوتی ہے نی نی (۲۲)، اور تاریخ میں سب سے نیکوکار لوگ انبیاء ہیں جو اکثر غریب رہے ہیں، (اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر مال کمانے کی ایک تو بری لالچ نہیں ہوتی، دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ وہ تجارت ہو مال کمانے کا کوئی بھی ذریعہ اس میں غلط راستے اختیار کرتے ہیں نہ راست بازی کا دامن ہاتھوں سے چھوڑتے ہیں، لہذا ان کے ساتھ راتوں رات امیر بن جانے کا کوئی معجزہ نہیں پیش آتا ہے)، لہذا غریبی اپنے آپ میں کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ عیب اس میں ہے کہ لوگ غریبی پر قانع ہوجاتے ہیں اور جائز ودرست طریقے کے مطابق روزگار کمانے کی کوشش نہیں کرتے، اور اللہ نے اپنے بندوں میں روزی روٹی کی جو تقسیم قائم کی ہے اس سے راضی نہیں، بلکہ دنیا میں الٰہی نظام کے سامنے سرکشی اختیار کرتے ہیں اور روزی روٹی کے بانٹنے کے الٰہی سسٹم کی راہ میں حائل ہوجاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے: **''ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الأرض ولکن ینزل بقدر ما یشاء إنہ بعبادہ خبیر بصیر''** (۲۵)، یعنی اگر اللہ اپنے تمام بندوں پر رزق کے دہانے کھول دیتا تو وہ زمین پر آتنک مچانے پر اتر آتے، لہذا وہ حساب سے جتنا چاہتا ہے روزی دیتا ہے، وہ اپنے بندوں (کی ضروریات اور ان کی نفسیات) سے باخبر اور بابصیرت ہے، لیکن بعض تہذیبیں غریبی کو الٰہی انتقام سمجھتی ہیں اور اپنی تکبر وگھمنڈ میں چور ہوکر غریب لوگوں اور غریبی کو الٰہی تازیانہ مانتی ہیں (۲۶)۔ جس کی وجہ سے ان کے اندر غریبی کے قریب

آنے (اسے سلجھانے) کی کوئی جستجو نہیں پیدا ہوتی اور وہ اسے ابتلاء وآزمائش بھی نہیں مانتے۔

اسلام میں غریبی کا علاج

اس مقالہ میں غربت کے علاج کے سلسلے میں تھیوریکل اور فنی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اور غربت کے دیگر پہلوؤں، یا تہذیبی وثقافتی اور اخلاقی دائروں سے متعلق امور کو نہیں چھیڑا گیا ہے جو کہ غریبی کے مسئلے کے عوامل ومحرکات کے دائرے میں ایک دوسرے کے ساتھ غریبی کے سبب بے شکل سرگرم رہتے ہیں، غریبی کے مذکورہ غیر مادی اسباب کی روشنی میں یہ بات ضرور کہی جاتی ہے کہ علمی نقطۂ نظر سے کسی بھی جوہری مسئلے کے ساتھ جس کا کہ مسلم سوسائٹی کی

زندگی سے تعلق ہو اس قسم کا تعامل اور برتاؤ نہیں کیا جاسکتا ہے جس میں ان ثقافتی واخلاقی دائروں سے طوطا چشمی برتی گئی ہو جو اس قسم کے جوہری مسائل میں درکار ہوتے ہیں، چنانچہ ایک مسلم سوسائٹی میں ربانی اور انسانی افکار کے مابین کوئی حد فاصل نہیں کھینچی جاسکتی یعنی دین اور دنیا کو الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں، جیسا کہ سیکولرزم میں دین ودنیا کے مابین تفریق کی جاتی ہے، خواہ یہ ظاہری ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اسلام محض شخصی اعتقاد کا نام نہیں جس میں فرد کا تعلق صرف اپنے رب سے ہوتا ہے بلکہ اسلام ایک سماجی ڈھانچے پر قائم ہے، اس میں جملہ سماجی ومعاشرتی تعلقات شامل ہیں، دینی نقطۂ نظر سے جس سماج کی تشکیل ہوتی ہے اس میں اجتماعی زندگی کا پہلو غالب طور پر نمایاں ہے، اس لئے چونکہ اسلام نے ایک سماجی ڈھانچہ بھی پیش کیا ہے جو اسلامی تعلیمات سے مالا مال ہے، لہٰذا غریبی کے بارے میں بھی اسلام کے طریقۂ علاج کے متعلق چند باتیں رقم کی جاتی ہیں۔

ابھی ابھی غریبی کے جو غیر مادی اسباب ذکر کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں اس بات کی یاددہانی کرانی ضروری ہے کہ اسلام میں غریبی کو تقدس و بڑائی حاصل نہیں، اسلام نے لوگوں پر نکیر کی ہے جو غریبی کو تقدس کا درجہ دیتے ہیں، اس سلسلے میں شیخ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں :

"اسلام نے پہلے طبقے کے غریبی سے متعلق نظریے کی خاص طور پر تردید کی ہے، اور پاکیزہ زندگی کے بارے میں ان کا جو نظریہ ہے اس کی عمومی طور پر تردید کی ہے، اسی طرح متصوفہ کے ان افکار کی بھی تردید کی ہے جو مسلمانوں کے اندر مانویہ فارسیہ، ہندوستانی تصوف اور نصرانی رہبانیت اور اس طرح کے دیگر انتہا پسند نظریات کی چیزیں در آئی ہیں، غریبی کی تعریف یا اسے ممدوح سمجھنے کے بارے میں نہ تو قرآن میں کوئی آیت وارد ہے نہ ہی رسول پاک ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی ہے۔(۲۷) بلکہ غریبی کے بارے میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ اگر غریبی کفر ہونے کے قریب تھی، ہاں زہد کی تعریف وستائش کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان سے غریبی کی تعریف ومدح مقصود نہیں، کیونکہ زہد کسی چیز میں اسی وقت آسکتی

جب وہ چیز پہلے حاصل کی جائے اوراس پرملکیت ہو، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ سچی معنوں میں زاہدوہی ہے جودنیا کا مالک ہواوراسے اپنے ہاتھ میں رکھے دل میں نہیں۔(۲۸)

اسی بات پر زور دیتے ہوئے اسلام نے غریبی کے علاج کے لئے متعدد روحانی وسائل وذرائع کی کھوج کی، جن میں اخلاقیات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں نیز یہ مادی کاوشوں کے منافی بھی نہیں ہیں جس کا فلسفہ یہ ہے کہ غریبی کا مسئلہ نمٹانے میں مادی وسائل واسباب اختیار کرنا ساتھ ہی اللہ کی ذات پر توکل وبھروسہ رکھنا خواہ یہ شخص پیمانے پر ہو یا اجتماعی پیمانے پر، یہ ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔(۲۹)

جب اسلام اورغریبی کے علاج کے بارے میں گفتگو کی جاتی ہے تو بہت سے لوگ اسلام کے تیسرے رکن ''زکوۃ نی ای کی مثال پیش کرتے ہیں،(۳۰) جس میں فطری انداز میں مالداروں کوغریبوں کی طرف موڑنے کا مفہوم پایا جاتا ہے، تاہم صرف اسی سے اس مسئلہ کا کلی حل نہیں ہوجاتا، اس لئے کہ کبھی کبھی مالداروں کوغریبوں کی طرف موڑنے کا یہ عمل جس میں زکوۃ کا نام سب سے اہم ہے غریبی کے علاج کی انتہائی صورت بن کر سامنے آتی ہے۔ اس لئے کہ اسلام غریبی کے مسئلے کے حل کے لئے سب سے پہلے پیداوار پر مبنی سرگرمیوں کا راستہ اپناتا ہے، نیز اقتصادی تنظیم کاری اورریاست کی ذمہ داریوں سے اس لعنت کو اولاً ختم کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے۔(۳۱) یہاں ہماری کوشش یہ ہوگی کہ اس سلسلے میں کچھ عام بنیادی نکات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جو''اسلام اورغریبی کے علاج نی ای کے سلسلے میں لازمی طور سے اپنائے جانے اور بروئے کار لائے جانے کے قابل ہے، یہ نکات حسب ذیل ہیں:

۱— اسلام میں عبودیت الہی اور مسلمانوں کے مابین باہمی رحم کے مابین پایا جانے والا گہرا ربط، چنانچہ ایک مسلم معاشرے میں زندگی گذارنے والا مسلمان جو زندگی کی جملہ آسائشوں سے بہرہ ور ہے وہ اپنے علاوہ دوسروں کو کیسے نظر انداز کرسکتا ہے، اوروہ کیونکر سوچ

سکتا ہے کہ اس کے افعال کے اثرات دوسروں پر مرتب نہیں ہو سکتے؟ بلکہ اس شخص کو تو یہ گمان ہوتا ہے کہ ایسا سوچنا حسن عبودیت الٰہی اور حسن توکل اور اس کی بنیاد پر اللہ سے ثواب کی امید ورجاء کے برخلاف ہے۔ عبودیت اور عبودیت کے ان تقاضوں کے مابین پائے جانے والے ارتباط و تعلق دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے جو ایک مسلمان کے نہاں خانۂ دل میں پیدا ہوتا ہے وہ تعلق ایک انسان کا دوسرے انسان کا استحصال کرنے اور دولت پر سانپ بن کر بیٹھ رہنے اور اجارہ داری قائم کرنے کی جملہ پریشانیوں کا خاتمہ کر دیتا ہے، ان پریشانیوں کی وجہ سے مسلم سوسائٹی کی اقتصادی پیداوار دوسروں تک پہنچنے سے رہتی ہے، اور جب ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو پیداوار تمام لوگوں تک پہنچتی ہے، انہیں اس قضیے میں پڑنا ہی نہیں ہوتا ہے کہ کون مال پا رہا ہے اور کون نہیں یعنی آمدنی کی تقسیم کے نام نہاد مخمصے میں نہیں پڑنا پڑتا ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اس دین نے زندگی کے ان اہم تقاضوں کو پورا کرنے پر غیر معمولی زور دیا ہے جن سے کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اور جنہیں حوائج خمسہ (پانچ ضروریات) کا نام بھی دیا گیا ہے، وہ ہیں: جان کی حفاظت، نسل کی حفاظت، عقل کی حفاظت، اور مال کی حفاظت، امام غزالیؒ 'المستصفی' میں رقم طراز ہیں: تخلیق کے پس پردہ شریعت کے پانچ مقاصد کارفرما ہیں: یہ کہ ان کے دین کو تحفظ فراہم کیا جائے، ان کی جانوں، عقلوں، نسلوں اور مالوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے، او ر یہ اصول خمسہ جن چیزوں کو بھی شامل ہوں یا ان پانچ چیزوں کو حاصل کرنے میں جن چیزوں کی بھی ضرورت درپیش ہو وہ سب مصلحت کی حیثیت رکھتی ہیں، اور جن چیزوں سے ان پانچوں چیزوں پر آنچ آئے وہ سارے کے سارے بے کار اور مفاسد ہیں نیز ان کا خاتمہ کرنا مصلحت ہے۔ (۳۲)

۲۔ مسلم سماج میں، اجتماعی سماجی سرگرمیوں کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، جس کی رو سے الٰہ واحد کی عبودیت کے لازمی تقاضوں کی روشنی میں ایسے اخلاقی اصول اور فکری دھارے معرض وجود میں آتے ہیں جو مسلمانوں کے باہمی رحم اور ہمدردی پر منتج ہوتے ہیں، تا کہ مسلمان

کی شخصیت جزء لایتجزی اور جزء لاینفک بن جائے، اور تا کہ اندر طور پر ایک ایسے محرک کو پیدا کیا جاسکے جو باہمی تکافل ورعایا پروری کی فضا بنائے، اور بغیر کسی خارجی ذمہ داریوں اور تنظیمی بوجھ کے، نیز کسی غیر کی نگہداشت ے یہ نیک عمل جاری وساری رہے، درحقیقت اس احساس میں اجتماعی سیکورٹی اور تحفظ کی جو مثال ہے اس کی دیگر معاشروں میں کوئی مثال نہیں ملتی اور اسلام کی تاریخ اس قسم کے شواہد سے بھری پڑی ہے۔

۳ــ اسی کے ساتھ طبعی طور پر زکوۃ کو آمدنی کی تقسیم کو لوٹانے کے لئے جس کے لئے موجودہ ترقی یافتہ اور صنعتی سوسائٹیاں پریشان وسرگرداں ہیں ایک ایک عظیم رکیزہ کے طور پر شمار کیا جاتا ہے، اس کا پہلا سبب یہ ہے کہ زکوۃ ایک سماجی ٹیکس ــ جو کہ غیروں کے یہاں رائج ہے ــ ہونے سے پہلے ایک دینی عبادت، اس حیثیت سے کہ ہمارے سامنے جو مال ہے وہ اللہ کا مال ہے اور انسان اس مال کا خلیفہ ہے۔(۳۳)، ارشاد باری تعالی ہے :"وأنفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه" (۳۴) اور تم خرچ کرو اس (مال) میں سے جس کا اللہ نے تمھیں خلیفہ ونگراں بنایا ہے اس حیثیت سے یہ ایک سماجی ہیکل کے روپ میں بہت سارے فوائد کو شامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ربانی ہدایت کا شاخسانہ بھی ہے اور یہ اس کی افضل ترین صورت ہے، اور یہ بات بخوبی معلوم ہے جس وقت زکوۃ کی وصولی کا نظم ونسق قائم تھا اس وقت چراغ لے کر ڈھونڈھنے پر بھی غریب، بھوکے اور محروم لوگ نہیں ملتے تھے، جیسا کہ بطور مثال عمر بن عبدالعزیز کا عہد ہے (۳۵)، یہ درحقیقت حکومت وقت کی ذمہ داری پر منحصر ہے کہ وہ اس کی اجتماعی تطبیق میں کتنا چوکس اور کوشاں ہوتی ہے۔

۴ــ زکوۃ اور زکوۃ کی وصولی کا اسلامی نظریہ، کام کی گارنٹی، لوگوں سے بے نیازی اور زیر سایہ پرورش پانے والوں پر خرچ کرنے کی اسلامی قوت محرکہ جو کہ اسلامی اقدار سے محروم معاشروں میں ناپید ہوتی ہے۔(۳۶) اور عمل (کام) غریبی کے علاج اور اس کے حل کے لئے بہترین وسیلہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے اسلام میں کام پر ابھارا گیا ہے۔ بار بار یہ بات دہرائی

جاری ہے کہ اللہ کی مراقبت زمین میں انسانی کوشش اور ترقیات کے تئیں انسان کے سلوک واخلاق سے متعلق امور میں ایک فیصل کی حیثیت رکھتی ہے، نیز یہاں کسب حلال کے راستے بھی ہموار ملتے ہیں جو انسان کو بھیک مانگنے کی ذلت سے محفوظ رکھتے ہیں خواہ اس کسب حلال کی نوعیت جو بھی ہو، اور لوگ اس کے بارے میں سماجی بنیادوں، موروثی و جماعتی اور غیر موصل ہونے میں کوئی بھی نظریہ قائم کر رکھے ہوں۔

۵— دوسری طرف سود کی حرمت کا فلسفہ سوسائٹی میں لوگوں کے غیر قانونی طور پر مال کی ذخیرہ اندوزی کو ختم کرتا ہے، نیز اس سے مرتب ہونے والے ان اثرات کا خاتمہ بھی مقصود ہے جو چھوٹی چھوٹی صنعتیں چلانے والوں پر سود کے دلدل میں پھنس جانے کی وجہ سے اپنا نزلہ گراتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ بربادی اور غریبی کے کگار پر آن کھڑے ہوتے ہیں او ر باقاعدہ غریبی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اور یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ شریعت کی نگاہ میں بولا جانے والا سود غریبی کے بڑھنے اور پھیلنے کا اہم سبب بنتا ہے۔

۶— جہاں تک ان حقوق والتزامات کا سوال ہے جو ایک ہی خاندان کے لوگوں کے مابین لاگو ہوتے ہیں، نیز رشتے داروں، احباب واقارب اور پڑوسیوں تک کے جو حقوق متعین ہوتے ہیں یہ باہمی کفالت اور پرورش کو مامون کرتے ہیں، اس طرح صاحب مال اور مال سے محروم لوگوں کے مابین باہمی تعاون اور امداد کا ایک حال تیار ہوجاتا ہے۔(۳۹) اسی لئے مالدار اور برسر روزگار رشتے داروں کا نادار اور معطل رشتے داروں کی کفالت کرنا غریبی کے علاج یا اس کے مقابلے کے حوالے سے دوسرے وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔(۴۰)

۷— اس کے بعد صدقات کا نمبر آتا ہے، جس کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی، نہ تو اس کے حجم کی نہ ہی اس کے مصارف کی تاکہ یہ وہ پل ثابت ہوسکے جس پر اسلام کے نظام پرورش و کفالت کی بنیاد قائم ہے جہاں غریبی یا بھکمری کو کوئی جگہ نہیں مل سکتی کسی بھی مسلم سماج میں جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو۔

۸— اس کے بعد وقف کے مفہوم کا نمبر آتا ہے، یہ ان شرعی طریقوں میں دائم ترین اور ٹھوس تر طریقہ ہے، خاص طور سے اس صورت میں جب انتظام وانصرام، سرمایہ کاری، مسلسل ترقی اور اس سے ہاتھ آنے والی آمدنی کی حسن تقسیم کی جملہ شرطیں پوری کی جائیں۔

۹— رہی بات ریاست کی تو ریاستیں مرتب ومنظم انداز میں پلاننگ نیز منصوبہ بندی کی ذمہ دار بھی ہیں، اور انسان کی ضروریات خمسہ کی تکمیل کی بھی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، وہ مختلف گروہوں کے لوگوں کے مابین ترتیب وار نظم ونسق قائم کرنے کی بھی ذمہ دار ہیں، اور ان ذمہ داریوں کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب وہ تمام اقدامات نہ کر لئے جائیں جو تنگدستی، فاقہ مستی، حاجت اور غریبی کا سد باب کرتی ہیں، اگر وہ ریاستیں ایسا نہیں کرتی ہیں تو انہیں اللہ تعالی کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا، اس طریقۂ کار میں سماجی اور اقتصادی دونوں دھارے کی سدھار اور اصلاح مخفی ہے، بنابریں زکوۃ کی وصولی، اس کی تقسیم، اوقاف پر توجہ دینا اور اس کو ترقی دینا ہمیشہ سے مطمح نظر رہا ہے، اس کو بروئے کار لانے میں مسلم ملک خوب کوشاں رہا ہے، اسلامی شریعت کی روشنی میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے جس طرح کہ دیگر اسلامی شعائر مثلاً صلاۃ، صیام اور حج کی طرف توجہ دی گئی اس پر بھی توجہ اور نگاہ رکھی گئی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ غریبی کے علاج کا اسلامی طریقہ بنیادی طور پر مذکورہ بالا مبادیات واصول پر قائم ہے، خواہ ان میں سے وہ مبادیات ہوں جو بنیادی ڈھانچوں کے زاویوں سے متعلق ہوں (جیسے زکوۃ، اوقاف، رشتے داروں اور اقرباء کے حقوق، سودخوری سے روکنا اور ریاست کی ذمہ داریاں وغیرہ ہیں)، یا وہ مبادیات واصول ہوں جن کا تعلق سوسائٹی کی بہتر رہنمائی کے سمت ذرائع کو بہتر حالت وصحت میں برقرار رکھنے سے ہے (جن کی نمائندگی تعلیمی نظام، میڈیا اور دعوت الی اللہ۔۔۔۔۔۔الخ سے ہوتی ہے)۔

مسلم سماج میں زندگی گزارنے والے افراد کی شخصیت سازی کی یہ ذمہ داری ہے،

تا کہ وہ اللہ والے بن سکیں، اپنے عقیدے اور اپنی شریعت کے اقدار اور اس کی تعلیمات کو اپنی دنیوی زندگی میں نافذ کرنے والے بن جائیں، اور ان امور وافعال سے ڈرنے والے بن جائیں جو اخروی زندگی میں — جو کہ حقیقی اور اصلی زندگی ہے — اللہ کے غضب وناراضگی کے باعث بن سکتے ہوں۔ یہاں ایک چیز قابل توجہ یہ ہے کہ ان مبادئات وضوابط میں سے ہر ایک وقائی پہلو پر زور دیتا ہے جس کا مدعا اور مطلوب افراد سازی کے لئے ماحول سازگار کرنا ہے، اللہ کے بعد یہ افراد اپنے اوپر اعتماد کرنا سیکھیں، اسلامی اقدار واخلاق کو اپنائیں اس سے پہلے کہ وہ مسائل کے دلدل میں جا پھنسیں پھر اس سے نکلنے کے لئے ہاتھ پیر ماریں اور ہر قسم کی قربانی دیں، اس کا بنیادی تقاضا ہے کہ وہ برسات کے آنے سے پیشتر اپنے گھروں پر چھت ڈالیں تا کہ برسات کا پانی انہیں بھگو نہ سکے اس حوالے سے غریبی کے علاج کو لے کر مسلم ممالک میں کافی کوششیں ہورہی ہیں، اسلام کے ان پاکیزہ مبادئات واصول سے لے کر مسئلے کے علمی اور اصولی طریقۂ علاج تک کا احساس بھی ہے، دوسری جانب یہ مقصد بھی پیش نظر ہے کہ یہاں کے شہریوں کو کسی ایسے نفسیاتی دباؤ کے احساس سے نجات دلایا جائے جو کہیں کسی ناخوشگوار واقعہ کا پیش خیمہ بن جائے، خاص طور سے جب ہم (زندگی کے) ایک ایسے مرحلہ سے گذر رہے ہیں جو میاں گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلے جارہا ہے، اور ملک کی ٹھوس سیاسی پالیسی کو ڈانواڈول کرنے کی کوششیں بھی ہورہی ہیں، یہ سب جھوٹے اور پرفریب نعروں کے ساتھ کیا جارہا ہے جو سننے میں تو کانوں کو نوجوان طبقہ کے یہاں بھلے لگتے ہیں، بالخصوص نوجوان کے ان طبقات کو جو مطلق محرومی یا نسبتاً محرومی کی زندگی گذار رہے ہیں، ان پرفریب نعروں سے جو انجام کار ہمارے سامنے آئے گا اس سے ہمارے شہریوں ہی کا صرف نقصان نہیں ہوگا بلکہ ان انحرافات کی مقابلہ آرائی اور سامنا کرنے کے لئے کوششوں اور مال کو خرچ کرنا پڑے گا، ساتھ ہی مسلم معاشرے میں حسن نیت کی جو فضا قائم ہے وہ معدوم ہوجائے گی، وطن سے محبت ولگاؤ کے احساس میں کمی آئے گی نیز اس سے پہلے اور اس کے بعد ہر دو حالات میں ان ناداروں کے بارے

میں ہم کو اللہ کے سامنے جواب دہ بھی ہونا پڑے گا۔

حکمت عملی، پالیسی اور پروگرام سازی

یہ ایک فطری طریقۂ کار ہے کہ اس مرحلہ میں ہم غریبی کے دائرے میں لے جانے والے یا غریبی کی حالت کو برقرار رکھنے والے متعین اسباب کو سب سے پہلے سمجھیں، تا کہ صحیح

بنیادوں پر غریبی کے علاج کے تئیں کوئی قومی حکمت عملی تیار کرسکیں، تا کہ اس کے پس پردہ متعین مقاصد کی تکمیل ہو سکے، ساتھ اداروں اور شعبہ جات کا تعین اور ان کی نشاندہی کی جا سکے جو ان پروگراموں اور حکمت عملیوں کو لاگو کرسکیں، اور اس قسم کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے نیز ان پالیسیوں کو بروئے کار لانے میں ہونے والے لازمی اخراجات کے مالیاتی ذرائع کی بھی تعیین کرسکیں، گذشتہ صدی کے ربع میں مختلف ملکوں کے تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے غریبی کے علاج کے تئیں تیار کی جانے والی حکمت عملیوں، پالیسیوں اور پروگراموں کو ترقیاتی پالیسیوں او رمنصوبہ بندیوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جرینسیان سخن نواز ہے کہ ''نئے الفیہ کے ساتھ ہی بنیادی طور پر ترقیاتی کاموں میں حصہ دار بننے والے اس حقیقت پر آپہنچے ہیں کہ ''غریبی کے علاج کے تئیں ہونے والی کوششوں کا مدار اور محور ترقیاتی کوششوں پر ہونا چاہئے نی نی۔ مزید کہتا ہے کہ ''یہاں یہ بات واضح طور سے سامنے آچکی ہے کہ اس چیلنج کا کامیاب سامنا کرنے کا طریقہ ہے کہ غریبی کا مقابلہ کرنے کے لئے ترقیاتی کوششوں کو اس کا محور ومرکز بنایا جائے، جس میں جملہ سامان وآلات اور قومی اداروں کا ہاتھ ہوتا کہ متعین پالیسیوں کے ذریعہ طے کردہ متعین اغراض ومقاصد جو قومی پالیسیوں اور حکمت عملیوں کو غریبی کے علاج کے حوالے سے مطلوب ہیں، حاصل کئے جاسکیں۔ (۴۱)

اسی وجہ سے اس مسئلے کے بہت سے اہتمام کاروں نے ''ترقی برائے کفالت غرباءنی نی کا نعرہ دیا، دوسری طرف کچھ لوگوں نے ''کفالتی ترقی کے ذریعہ غریبی کے مقابلہ کی بات کہی۔ (۴۲)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پالیسیوں اور پروگراموں سے مرتب ہونے والے اثرات کے اعتبار سے ان کے مابین اختیار کہ کون سی پالیسی کب اختیار کی جائے، یہ کوئی آٹومیٹکلی چیز نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا فیصلہ تجربے کار لوگ اور سابقہ تجربات کی روشنی میں بیدار اور بامقصد بنیادوں پر قرارداد پاس کرنے والے ہی اس کے

مجاز ہیں، چنانچہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ درحقیقت غریبی کا سامنا اس بات کا متقاضی ہے کہ اس عمل کا آغاز ان حقیقی اسباب سے کیا جائے جوان بنیادی اور زمینی اسباب کو شامل ہوتے ہیں جو سماج میں لوگوں کے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے مواقع کو بروئے کار لانے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں، لہذا ابتداء اسی نقطے سے ہونی چاہئے جوان لوگوں کی نظر میں غربت کو کم کرنے کے لئے بلا واسطہ پروگراموں اور لوگوں کے سامنے کوششوں کے دروازے وا کرنے کی خوبی حاصل ہے، دنکان اور بولارد نے اس نقطہ نظر کو اپنایا ہے، اور انہیں دونوں نے اس فکر کو پیش بھی کیا، چنانچہ انہوں نے ''قومی سطح پر غریبی کے علاج کے لئے حکمت عملی کے تصوری دارئے کا نظریہ بھی پیش کیا، چنانچہ انہوں نے ''اس حکمت عملی کا بنیادی مقصد غریبی کو کم کرنا ہے، اور یہ سماجی نظام کے علاقوں اور دائروں کی تحدید کر کے ہی ممکن ہے، اس کا کام غریبی کو کم کرنا، ترقیاتی کاوشوں میں عوام کی حصہ داری کو غیر موثر بنانے والی رکاوٹوں کو دور کرنا اور ان بنیادوں کولا گو کرنا ہے جن پر یہ حکمت عملی قائم ہے، اور یہ اسفل سے اعلی کی طرف سے رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ (۴۳)

مگر دوسری کچھ دیگر لوگ ایسے بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ اسفل سے اعلی کی طرف سے علاج کا آغاز پوری سوسائٹی کی طرف سے بنیادی اصلاحات وتبدیلیاں لانے کے لئے خلاف معمول کوششوں کا متقاضی ہے، جس کے مطابق مختلف جماعتوں کے یہاں سے مفہوم ورویوں کے اندر بنیادی تبدیلیاں لانے کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے، نیز جس کو بروئے کار لانے کے لئے متعارض مصالح کے مابین جمع وتطبیق کے لئے بہت زیادہ پالیسیوں کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے جس میں کمی غریب کے مناسب اور کسی نتیجہ خیر انجام تک پہنچنے سے پہلے ہی ڈھیر ساری کوششیں اور ڈھیر سارا وقت صرف ہوگا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جن ترقی پذیر (گلوبلائزڈ) ملکوں میں یہ سیاسی منصوبے وافر انداز میں ہوئے ہیں ان میں ۱۹۸۰ء کے تیسرے گلوبلائزیشن منصوبہ بندی کے بعد سے دوسوملین (۲۰۰,۰۰۰,۰۰۰) لوگوں کے اوسط سے غریبوں میں کمی

آئی ہے۔(۴۴)

مگر یہ بات بھی سوچی جاسکتی ہے کہ ہم کوئی ایسی حکمت عملی بھی زیر تجویز لاسکتے ہیں جس میں معدل انداز میں دونوں اتجاہات اور طریقے پر عمل درآمد ہو سکے، بایں طور کہ کچھ ایسے مقاصد تیار کئے جائیں جن کا تخفیف فقر سے ڈائریکٹ تعلق ہو خواہ یہ وقتی طور اور بلاواسطہ طور پر ہی ہو، او را یسے پروگرام تیار کئے جائیں جو ایک ہی وقت ان مقاصد کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گرچہ ان میں ہمہ گیر اور وسیع مقاصد والے پروگراموں کے مقاصد پورے کرنے کی اہلیت وصلاحیت نہ ہو، لیکن اس قسم کے پروگرام کا خاکہ پیش کرنا اور منہ سے بول دینا تو آسان ہے پر اس کو لاگو کرنے میں غیر معمولی طور پر جدوجہد کرنا پڑے گا، کیونکہ بلاواسطہ مقاصد اور بنیادی مقاصد دونوں ہی سے ہر ایک نظریے اور رویہ میں فائق و برتر مقاصد کے حسن اختیار پر اس قول وفکر کی بنیاد ہے، اور یہ ایک طبعی بات ہے کہ ایسا کرنا آسان نہیں، اور شاید یہ فکر ''اکیسویں صدی کے کاموں کے چارٹر سے مستعار لی گئی ہے جو ماحول وترقیاتی چوٹی کانفرنس سے متعلق ریودی جانیرو میں (زمینی چوٹی کانفرنس ۱۹۹۲ء میں منعقد ہوئی تھی، بالخصوص اس کے باب اول کی تیسری فصل جس کا عنوان ہے''غریبی کا مقابلہ نی نی کے اندرز کرہے۔

غذا رسانی، خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات نیز اس قسم کی دیگر خدمات مثلاً فیملی پلاننگ وغیرہ کی لعنتیں (غریبی کو ختم کرنے کے لئے) مسلم سماج میں قبول نہیں کی جاسکتی ہیں، بالخصوص نسل بندی کی بات تو غیر ممکن ہے، علماء امت کا اس سلسلے میں تفصیلی مباحثہ ہے۔

اور ہر حال میں جن مداروں اور محاور پر عالمی ادارے زور دیتے ہیں اور جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے، اور جن کی مثال''ترقی برائے کفالت غرباء نی نی اور''بنیادی سماجی خدمات نی نی وغیرہ کے نظریات میں دکھائی دیتی ہے، ان سارے اسالیب ونظریات کے ساتھ ساتھ ہمیں اس باب میں''سماجی تحفظ کے دائرہ کار نی نی سے بھی پہلو تہی نہیں کرنا چاہئے، سماجی تحفظ کے دائرہ کار یا اس کے جال کا تعلق درج ذیل امور سے ہے:

۱— سماجی انشورنس کی تنظیم کاری، سماجی سیکورٹی، عام امداد، خاندان وطفولت کی نگہداشت پروگرام نیز خاص گروپوں کے ان معذورلوگوں کی پرورش کرنے کے لئے تعاون بہم پہنچانا جو کام کر کے روزی روٹی کمانے کے لائق نہیں ہوتے، اور ان کی حالت بقدر کفاف روزگار کے حصول کی اجازت نہیں دیتی۔

۲— ان پروگراموں کو مدد بہم پہنچانا جو معاشیات کی تغیر پذیری کی وجہ سے عارضی احوال میں کمی پر توجہ دیتی ہیں، ان پروگراموں میں سے ''سماجی فنڈ برائے ترقیات نی نی جیسے غریبی کے علاج کے لئے رفاہی فنڈ، پروفیشنل ٹریننگ برائے مارکیٹنگ نیز خاندانی بہبود پروگرام وغیرہ ہیں، ان میں سے ہر ایک کا مقصد بے روزگاری اور مالی مشکلات کا سلسلہ بند کرنا ہے، بالخصوص عارضی مراحل میں بایں طور کہ بے روزگاری غریبی کا ایک نہایت ہی اہم جزء ہے۔(۴۵)

بے روزگاری غریبی کی ایک جگہ ہے اوران جگہوں کی ذیل کے سطروں میں نشاندہی کی جاسکتی ہے:

۱— ساری عورتیں عام طور پر، مزدور پیشہ عورتیں خاص طور پر، یہاں تک کہ بعض تہذیبوں میں عورتوں کی غربت ہی غریبی کی علامت بن چکی ہے، جسے ''محتاج خواتین کا زمرہ نی نی بھی کہا جاتا ہے۔(۴۶)

۲— لڑکے اور کم سن بچے

۳— بوڑھے لوگ

۴— معذورلوگ

۵— کام نہ کر پانے والے اور غیر ماہر مزدور

۶— مہاجر مزدور (۴۷) یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مہاجر مزدوروں اور کسی ملک میں وقتی طور پر کام کرنے والے مزدوروں میں فرق ہے۔(۴۸)

اور شاید اس نقطے پر پہنچ کر اس چیز کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے کہ عالمی ادارے اور امداد پیش کرنے والے مما لک کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ایسی حکمت عملیاں بھی وضع کریں، جس میں ماہرین اور تجربے کار مما لک کے تجربے بھی بروئے کار لائے جائیں، اور یہ بات بھی دہرائی جائے کہ غریبی کے علاج کے سلسلہ میں پہلے باقاعدہ طور پر غریبی کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے، اور اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ ان عالمی پالیسیوں اور حکمت عملیوں پر بھی نظر رکھی جائے جو بہتر آراء کی حیثیت رکھتی ہیں پھر اپنی ترجیحات میں ان کو بھی شامل کر کے انہیں بروئے کار لانے کی کوشش کریں، اور اسے غریبی کے اسباب کے تئیں قومی جائزے کے دھارے میں شامل کیا جائے نیز اس سے وابستہ پالیسیوں کے دیگر پہلوؤں پر بھی نظر رکھی جائے، اور اس قسم کی ایک مثال ۲۰ / ۲۰'' کا اقدام (Intiate) ہے، جس میں ۱۹۹۵ء میں ڈنمارک کے کوپنہاجن شہر میں منعقد ہونے والی سماجی ترقیاتی عالمی چوٹی کانفرنس میں تمام صنعتی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر مما لک نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ ترقی پذیر مما لک اپنے بجٹ کا بیس فی صد حصہ سماج کی بنیادی خدمات میں لگائیں، اسی طرح ترقی یافتہ مما لک بھی اپنے بجٹ کا بیس فی صد حصہ سماجی کھاتے میں دی جانے والی امداد کے لئے مختص کریں۔ بالخصوص تیسری دنیا یا ترقی پذیر مما لک کے نصف باشندے سخت اور شدید غربت سے دو چار ہیں، جن کی تعداد ایک بلین (۱,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰) ہے، ان میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی ہے (۴۹) ان کی پیداوار ترقی پذیر مما لک کی مجموعی پیداوار کے سولہ فیصد کے برابر ہے، (۵۰) اور ان غریبوں کی تعداد ۱/ ۶ ہے جو کل انسانی آبادی کا حصہ ہے، ان کی تعداد چھ بلین (۶,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰) سے بھی زیادہ ہے (۵۱)، جب کہ دنیا کے صرف پندرہ مما لک دنیا کی کل آمدنی کے پینسٹھ فی صد (۶۵٪) آمدنی اینٹھ رہے ہیں اور عالمی تجارت کے ۲ء۸۴٪ حصہ پر بھی انہیں کا کنٹرول ہے۔ اسی وجہ سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہونے والے اپنے ہزار نامے میں اس غریبی کو غیر انسانی اور تھوپی گئی غریبی سے تعبیر کیا ہے۔ (۵۲)

اور جہاں تک فقر مطلق کی بات ہے تو یہ دو مرتبہ دوگنی بڑھی ہے، کیونکہ ورلڈ بینک کی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰۰۰ء کی ایک رپورٹ کی ایک اطلاع کے مطابق ان کی تعداد دو بلین اور آٹھ سو ملین (۲,۸۰۱,۰۰۰,۰۰۰) سے بھی زیادہ ہے۔

اور یہاں اس چیز کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ سماج کی بنیادی خدمات وضروریات کے ضمن میں بنیادی تعلیم، صحت کی لازمی سہولیات، پینے کا پانی، عام صحت اور دیگر پروگرام بھی آتے ہیں۔

پالیسیوں اور پروگراموں کا نفاذ اور ان میں اصلاح

گذشتہ مرحلوں میں جو بھی کوششیں کی گئی ہیں اور صحیح احوال کے زیر سایہ پروان چڑھی ہیں، ان میں علاقائی سطح پر پالیسیوں اور پروگراموں کے اختیار کرنے میں بھی اچھا طریقہ اپنایا گیا ہے اور غریبی کے اسباب کے گہرے جائزے اور مطالعہ پر یہ مبنی ہیں، ان سب کے باوجود غریبی کے علاج کی ذمہ داری یہیں پر بس نہیں ہوتی، بلکہ غربت کا علاج ومداوا اصلاح کی پالیسیاں وضع اور نافذ کئے بغیر نہیں ہوسکتا، تنفیذ وتجزیہ کا یہ مرحلہ حکمت عملیاں وضع کرنے اور پالیسیوں وپروگرام سازیوں کے ساتھ نہایت ٹھوس بنیادوں پر قائم ہونا چاہئے، اگر تنفیذ وتقویم اور اصلاحات ان حکمت عملیوں اور پالیسیوں کے ساتھ شامل نہ ہوتو ہوسکتا ہے کہ علمی فائدہ تو کچھ نظر آجائے لیکن کوئی عملی فائدہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

تنفیذ کی کوششیں بنیادی طور پر اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ ان حکمت عملیوں اور پالیسیوں کا نفاذ پیش نظر مقاصد کے مطابق کیا جائے گا اور اس میں وہ ضروری کارروائیاں کی جائیں گی جو اس میں درکار ہوتی ہیں۔تنفیذ کے اس مرحلے میں اس دائرے میں کی جانے والی سرگرمیوں اور پروگراموں کی کارگزاریوں کے بارے میں وقفہ جاتی رپورٹیں مسلسل جمع کرائی جائیں گی۔جس سے زیر منصوبہ چیزوں کی تنفیذ کے بارے میں قرارداد پاس کرنے والوں کے سامنے واضح شکلیں نظر آئیں گی، پھر اس کی روشنی میں پیش نظر سمتوں میں سفر جاری رکھنے اور کارروائیاں آگے بڑھانے کے لئے ضروری اصلاحات کی جائیں گی، تقویم کے نتائج کا انتظار نہ کیا جائے گا، جس میں غالب احوال میں بہت زیادہ وقت صرف ہوتا ہے، جس میں وقت، مال اور کوشش ہر ایک کا ضیاع ہے۔

جہاں تک پالیسیوں، پروگراموں اور غریبی کے علاج کے لئے بنائے گئے منصوبہ کی

تقویم واصلاح کی بات ہے تو اس کی اہمیت میں کوئی دورائے نہیں، اس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، تقویم بنیادی طور پر اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ جب منصوبے اپنے مطلوب مقاصد کو پورا کرتے دکھائی دیں گے یا جسے منصوبوں کی تاثیر واثرات بھی کہا جاسکتا ہے، چنانچہ جب یہ منصوبے مؤثر طریقے سے اپنے مقاصد کو پورا کریں گے، نیز جب یہ منصوبے غربت کا سامنا کرنے کے لئے منصوبہ بندی کے مرحلہ میں ہوں گے تو واضح طور پر دونوں کے مقاصد پورے ہوتے دکھائی دیں گے، جس کا لازمی مطلب یہی ہوگا کہ غربت کے علاج کے لئے وضع کی گئیں پالیسیاں اور حکمت عملی دونوں کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہو رہی ہے۔

لیکن اگر اس دائرے میں ہونے والے پروگراموں، منصوبوں اور سرگرمیوں کی تنفیذ مقاصد کی تکمیل میں غیر موثر یا ناقص تاثیر کی صورت ظاہر کرے تو اس سے اس قسم کی صورت حال پیدا ہوگی جس کی روشنی میں زیر استعمال قراردادوں اور تجربوں میں قابل قبول ترمیم کی جاسکتی ہے، اور کبھی کبھی خود تنفیذ کا یہ عمل اس کا زمیں بروئے کار لائی جانے والی حکمت عملیوں کی صلاحیت وکارگزاری کے گرد سوال کھڑا کر دیتا ہے جس سے لوگ ان پالیسیوں پر نظر ثانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

طبعی طور پر تنفیذ وتقویم کا یہ نظام درج ذیل تعیین اور حد بندیوں کا متقاضی ہے:

۱ــ غربت کے مقابلے کے درمیان اور آخری مقاصد کی حد بندی۔

۲ــ ان مقاصد کے مختلف پہلوؤں کو جو ان پالیسیوں میں شامل ہوتے ہیں، کی تکمیل وبرآوری کے لئے درمیانی اور انتہائی آثار وعلامتوں کی حد بندی۔

۳ــ امداد ووقت کے اعتبار سے ان موشرات وآثار کے زیر ہدف حد کی تعیین۔

۴ــ جن رپورٹوں کو جمع کرنا مطلوب ہوتا ہے ان کی نوعتیوں اور جمع کرنے کے وقت کی تعیین۔

۵ــ ان محکموں اور اداروں کی تعیین ونشاندہی جو ان تفصیلات کو جمع کرنے پر مامور

کئے جائیں۔

۶ — پروگراموں کو فعال ومؤثر بنانے کی تقویم کے لئے مناسب اصولی توضیحات کا اختیار۔

۷ — بیانات اور رپورٹوں کو جمع کرنے کا مناسب اسلوب، کمیت وکیفیت اور وقفہ جاتی طور پر اس کا اختیار جس قدر ممکن ہو۔

خاتمہ

غریبی کے مسئلے کے تئیں یہ ایک سرسری جائزہ ہے، سب سے پہلے غربت کے وجود کا اعتراف کیا جائے، پھر بنیادی اصول، اخلاقی قدروں، تہذیبی روایتوں کو قبول کر کے غربت کا سامنا کرنے کے لئے واضح طریقۂ کار کو بروئے کار لایا جائے، جس دین کی یہ پاکیزہ ہدایت ہے کہ مال اللہ کا ہے، ابن آدم کو اس نے مال سے نوازا ہے تا کہ اللہ نے اس مال میں جو دوسروں کے حقوق رکھے ہیں وہ انہیں ادا کرے، صاحب حق کو اس کا حق دے اور لوگوں کے روزگار حاصل کرنے کی کیفیت وحالت کو دیکھتے ہوئے اس کو ایسا ماحول عطا کرنا بھی ضروری ہے جس میں وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی کھا سکے اور اسے دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، وہ اپنی تقریبات کے انتظار کی گھڑیاں نہ گنتا رہے کہ رمضان وغیرہ کے موسم میں جس میں عام طور سے مسلمان زکوۃ نکالتے ہیں۔

عصری تقاضوں کے سائے میں اس امانت کی ادائیگی کے لئے ایسے نظام وذرائع کا بندوبست ضروری ہے جس میں زکوۃ وصدقات، اوقاف وعطا کے ذریعہ سماجی کفالت وتعاون کی فضاء قائم ہوسکے، زکوۃ وصدقات، مالداروں سے لے کر غریبوں محتاجوں میں بانٹے جاسکیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ غریبی کا مفہوم طے کیا جائے اس کے انواع، اسباب اور جغرافیائی سطح پر اس کی حد بندی کی جائے، اور روزگار کے مواقع اور لوگوں کے اسے ایک مدت سے چھوڑے رکھنے کی کوشش میں جو غریبی آئی ہے اس کا حقیقی تجزیہ کیا ہے مسلمانوں نیز باشندگان ملک جو مقابلہ ہوئے جس کی وجہ سے غیر ملکی مارکیٹ پر حاوی ہو گئے، خاص طور سے چھوٹی اور درمیانی صنعتوں اور فیکٹریوں اور تجارتی اداروں میں غیر ملکیوں نے شہریوں پر روزگار کے مواقع تنگ کر دیئے، باوجودیکہ شہریوں کی غالب اکثریت خود کام کرنے

کے لائق تھی، یا اس کے بعد کام کے اسلوب وطریقۂ کار یا پیداوار کی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں سے شہریوں کو اس قسم کے حالات دیکھنے پڑے۔

رہی بات ان افراد کی جو بڑھاپے یا معذوری کی بنیاد پر کام کرنے کے لائق نہیں ہیں تو اس کی کفالت کا ایک واضع اور صاف طریقہ علاج سماجی تنظیمیں ہیں، جو ان کی خدمات پر مامور ہیں جیسے ''سماجی انشورنس ٹی ٹی، خدمات برائے امور سماج وصحت، نامی سرکاری تنظیمیں ہیں، علاوہ ازیں پرائیوٹ سیکٹر میں بھی بہت سے رفاہی ادارے اور چیری ٹیبل تنظیمیں کام کررہی ہیں۔

مزید برآں غریبی کے علاج کے لئے قومی حکمت عملی اس قسم کے شہریوں کے ساتھ خواہ وہ بوڑھے مرد ہوں یا عورتیں، بیوائیں ہوں یا مطلقہ عورتیں، تعاون کے دیگر طریقۂ کار بھی اپناتی ہے۔

اس بنیاد پر غریبی کے علاج کے لئے قومی حکمت عملی وضع کرنے میں ہندوستان میں کسی معجزاتی عمل کا ظہور نہیں ہوا ہے، نہ ہی یہ کوئی ایسا اقدام ہے، جسے پہلے کے لوگ کرنے سے عاجز رہے ہوں بلکہ یہ جلد ہی ان کوششوں کو ہمہ گیر نظریوں پر قائم بنیادوں پر استوار کرے گی، نیز اسی وقت تنفیذ کے میکانزم سے بھی مالامال کرے گی، اس بنیاد پر ان کے ثمرات جلد آئیں یہ تنفیذ کے مراحل کم، درمیانی اور طویل بھی ہوسکتے ہیں، روایتی اور غیر مثالی واقعیت بھی اس میں کارفرما ہوگی۔

اس میں میسر اور ممکن تمام طرح کے امکانات اور صلاحیتیں زیر استعمال لائی جائیں گی، خاص طور سے کسی بھی سوسائٹی کے ساتھ غریبی کوئی بنیادی چیز نہیں، یعنی وراثت میں ملی ہوئی نہیں ہوتی ہے، اور ایسا بھی نہیں کہ اس کا علاج ناممکن ہو، بلکہ صبر وکوشش سے اس مرض کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ یقینا اللہ تعالی ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو غریبی کے اسباب کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر غریبی کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں، اور اللہ تعالی سارے ہی لوگوں کی مدد میں ہے۔

حواشی

۱۔ ماخوذ از ''فقہ الفقراء والمساکین فی الکتاب والسنۃ فی عبد السلام الخرشی ص ٦ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۲ء اور نصی محلی سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ماخوذ از جمہوریہ یمن میں غربت پر رپورٹ، تیار کردہ: علی رشید برائے مجلہ العالم الاسلامی۔

۳۔ جی آر مانڈل: العولمۃ والفقراء (گلوبلائزیشن اور غریب) ۲۴۰ شرکۃ الحوار الثقافی، بیروت ۲۰۰۴ء۔

۴۔ دیکھئے: عبد السلام خرشی کی کتاب ''فقہ الفقراء والمساکین فی الکتاب والسنۃ فی فصل اول (بالعمل والرجوع إلی اللہ یدفع الفقر) در باب چہارم (المواجہۃ المباشرۃ مع الفقر) مرجع سابق/۲۹۷ــ۳۲۵۔

۵۔ دیکھئے: نشات جعفر کی کتاب ''العمل فی الاسلام: الضرورۃ المہدرۃ فی /۵۳ــ۸۲، المولف قاہرہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء۔

٦۔ میچنل چوسودویسکی: غربت کا گلوبلائزیشن (عولمۃ الفقر) ترجمہ: محمد مستجیر مصطفی، طبع باردوم، مجلہ سطور، قاہرہ ۲۰۰۰ء۔

۷۔ جمہوریہ یمن اس بعد سے ہوشیار ہوگئی اور اس نے تخفیف غربت کی ایک پالیسی ۲۰۰۳ء ــ۲۰۰۵ء میں وضع کی اور غربت کے خاتمے کے تئیں اس کی پالیسیوں میں کوئی کمی نہیں آئی، دیکھئے: وزارت منصوبہ بندی وترقیات کی رپورٹ ''تخفیف غربت حکمت عملی

(۲۰۰۳ــ۲۰۰۵ء) وزارت صنعاء ۲۰۰۲ء ص ۱۴۹ اور اس سے ملحق دیگر صفحات۔

۸ــ دیکھئے عبد الرزاق الفارس کی کتاب ''الفقر وتوزیع الدخل فی الوطن العربی ر ۴۰ مطبوعہ مرکز دراسات الوحدۃ العربیہ ۲۰۰۱ء جس میں مولف نے سعودی عرب کو زندگی سے متعلق بالخصوص غربت کے میدان میں معلومات اور Dates فراہم نہ کرنے پر کوسا ہے۔

۹ــ جولین ے کی کتاب An Elusive Consensus: Definitions, Masarments And andyis UNDP, Choices for the poor: اسباق ماخوذ از : قومی پالیسی برائے غربت، ترقیاتی پروگرام اقوام متحدہ ۲۰۰۱ء ص ۲۵۔

۱۰ــ دیکھئے: باتر محمد علی وردم کی کتاب ''العولمۃ ومستقبل الارض نی نی کی تیسری فصل وعولمۃ الارض ص ۷۷ــ ۱۲۳، مطبوعہ الاہلیۃ للنشر والتوزیع نی نی عمان ۲۰۰۳ء۔

۱۱ــ جولین کی کتاب An Elusive Consensus: Definitions, Masarments and andaysis UNDP, Choices for the poor: اسباق ماخوذ از: قومی پالیسی برائے غربت ترقیاتی پروگرام اقوام متحدہ ۲۰۰۱ء ص ۲۶۔

۱۲ــ پاول اے جارج اوسکاتی (Paul A. Jargowsky) کی تصنیف "Poverty and Place: Ghetts, Barrios, and the American City". رسل مسیح فاؤنڈیشن، نیویارک ۱۹۹۷ء، ص ۸۔

۱۳ــ عبد الرزاق الفارس کی کتاب : ''الفقر وتوزیع الدخل فی الوطن العربی نی مرجع سابق ر ۱۷۔

۱۴ــ رجوع کیجئے:

Coudoucl, Jesko S. Hentschel, and Quentin T. Wodon (2003) Aline World Bank, Poverty Reduction:

Poverty Masurments.

۱۵– فیلپ عطیہ کی کتاب ''امراض الفقر: المشکلات الصحیحۃ فی العالم الثالث نی نی ر ۲۵۷ – ۲۹۳، المجلس الوطنی للثقافۃ والفنون والآداب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء (سلسلہ عالم المعرفہ ۱۴۱:)

۱۶– رونالڈ ڈکن اور اسٹیفن جے یولارڈ کی کتاب A Conceptual Framework for designign a country poverty reduction strategy" P.20.

یہ ایک محاضرہ تھا جو ''ایسیا اور پیسی فک فورم نی نی میں غریبی کے عنوان پر مورخہ ۵–۹ ر فروری ۲۰۰۱ء کو پیش کیا گیا تھا، جو ایشیائی ترقیاتی بینک مینیلا Manila کے شعبۂ Reforming Policies and istitutions for poverty reduction" کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا۔

۱۷– جورج قرم کی کتاب ''شرق وغرب نی نی اشرق الاسطوری، ترجمہ: ماری طوق ر ۱۹۹ مطبوعہ دار الساقی ر ۲۰۰۳ء۔

۱۸– Aline coudouel, Jesko S. Hentrched and Quentin T. Wodom (2003) World Bank, Poverty Reduction: Poverty measurment and analyses" in "Strategy sorvebook. 36-46.

http: // www. worldbank.org/poverty/ strategies / sources. htm

۱۹– افزودگی پروگرام اقوام متحدہ: غربت کا مقابلہ وخانہ: عرب مما لک سے غریبی کو نکال باہر کرنے کی حکمت عملی کے اہم عناصر ر ۳۳، افزودگی پروگرام اقوام متحدہ نیویارک ۱۹۹۴ء۔

۲۰– دیکھئے: عبدالسلام الخرشی کی کتاب ''فقہ الفقراء والمساکین فی فی کے باب پنجم (اشکالات فی مسألۃ الفقر فی فی کی پہلی فصل ''الفقر بین العقوبۃ والابتلاء فی فی مرجع سابق/۳۸۱–۴۱۱۔

۲۱– رفعت سید عوضی کی کتاب ''عالم اسلامی بلافقر فی فی وزارت اوقاف واسلامی امور، دوحہ قطر/ ۶۷، ۱۴۲۱ھ (سلسلہ کتاب الامہ نمبر ۹۷)۔

۲۲– زید بن محمد الرمانی کی کتاب ''اقتصاد الفقر فی فی مرجع سابق/ ۳۵۔

۲۳– عبد السلام خرشی کی کتاب ''فقہ الفقراء والمساکین فی فی مرجع سابق/ ۳۹۷–۴۱۰۔

۲۴– محمد عمر الحاجی کی کتاب ''الفقراء والأغنیاء فی میزان الشریعۃ الاسلامیہ، مراجع وتقدیم: شوقی الوخیل/ ۳۸–۴۰، مطبوعہ دار المکتبی دمشق ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء۔

۲۵– سورہ شوری ۲۷:۔

۲۶– جارج قرم: شرق وغرب: الشرح الاسطوری سابق مرجع/ ۱۷۸۔

۲۷– یوسف قرضاوی کی کتاب ''مشکلۃ الفقر وکیف عالجہا الاسلام فی فی/ ۱۲ پانچواں ایڈیشن، مطبوعہ مکتبہ وہبہ– قاہرہ ۱۹۸۶ء۔

۲۸– '' '' ''

۲۹– روح الامین الکلباسی کی کتاب ''علاج الفقر فی فی ترجمہ: موسی قصیر/ ۱۳ مطبوعہ دار الہادی بیروت ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۱ء۔

۳۰– یوسف الکتابی کی کتاب ''کیف تغلب الاسلام مشکلۃ الفقر؟ آلیۃ الزکاۃ نموذجاًفی فی/ ۲۰۷–۲۳۴ مطبوعہ منشورات، عکاظ، رباط ۲۰۰۳ء۔